وہ مسلسل میری طرف دیکھے چلے جا رہی تھی۔اس کے ہونٹوں پر جو دھیمی سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، میں اسے کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔وہ ایک دم سے مجھے جتنی پراسرار لگی تھی، اس کی آنکھوں میں اس قدر اپنائیت بھی چھلک رہی تھی۔جبکہ میرے اندر بے چینی اٹھنا فطری عمل تھا۔میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اٹھوں اور اس کے پاس جا کر پوچھ لوں کہ وہ کون ہے؟ شاید میں ایسا کر بھی لیتا مگر اس وقت باہر جانے کے لئے اعلان ہونے لگا۔میں لاؤنج سے نکل گیا۔لاؤنج سے جہاز تک وہ میری نگاہوں سے اوجھل رہی۔لیکن وہ میرے دماغ سے ہٹ نہیں رہی تھی۔میں اپنی سیٹ پر آن بیٹھا اور اسی کے متعلق سوچنے لگا۔زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ میں چونک گیا۔وہ میرے ساتھ آ کر اطمینان سے بیٹھ گئی تھی۔میرے اندر ایک دم سے الارم بج اٹھا۔میں پوری طرح محتاط ہو گیا۔تبھی اس نے میری طرف دیکھ کر ہولے سے کہا

''لوگ اتنی جلدی بھول جاتے ہیں، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔''

اس کی آواز مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی۔میں تب اسے غور سے دیکھا تو ایک دم سے میرے ذہن میں آ گئی۔لیکن شک اب بھی تھا۔

''سوری۔! کیا آپ نے مجھے کچھ کہا؟''میں نے انتہائی مہذب انداز کے پوچھا

''جی۔! میں نے آپ ہی سے کہا ہے؟''اس نے پھر دھیمی آواز میں ہی کہا

''لیکن میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''میں نے یہی چاہا کہ وہ خود بتائے، کہیں میرا شک غلط نہ ہو جائے اور میں کوئی غلط نام لے بیٹھوں۔میں پراعتماد اس لئے بھی ہو گیا تھا کہ کرنل مسکراتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارے لئے اس سفر میں ایک سرپرائز بھی ہوگا۔میں سمجھ گیا تھا یہ سرپرائز کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا یہاں ہونا اور میرے ساتھ سفر کرنا کسی بڑے معاملے کا اشارہ تھا۔

''ذرا تصور کرو، میری آنکھوں پر موٹی سی عینک لگی ہو۔میں اپنی عمر سے ذرا بڑی دکھائی دے رہی ہوں۔پھر تم میرے ساتھ کسی باغ میں بھی گھومے ہو۔''وہ میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی

''میں پہچان تو گیا ہوں۔لیکن ذرا سا شک اب بھی ہے۔اگر چاہو تو خود بتا دو۔''میں نے سکون سے کہا تو وہ ذرا سا منہ بسورتے ہوئے بولی

''میں نوتن کور ہوں، اب پہچانا؟''

''ہاں۔! اب پہچان گیا، لیکن تم یہاں کیسے؟ اور یہ تم بہت حد تک بدل گئی ہو، جوان، خوبصورت اور پرکشش۔یوں لگتا ہے جیسے ایک نئی لڑکی میرے سامنے آ گئی ہو۔یہ سب کیا ہے؟''میں نے تجسس سے پوچھا

''لاہور پہنچ جائیں، پھر سکون سے باتیں کریں گے۔''اس نے ایک ادا سے کہا تو مجھے ایک بار شک ہوا جیسے یہ نوتن کور نہیں کوئی دوسری لڑکی میرے ساتھ سفر کر رہی ہے۔میں نے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا دی۔

لاہور ائیر پورٹ سے ہم یوں باہر آئے جیسے ہم دونوں میں کوئی اجنبیت نہیں ہے بلکہ ہم سفر ہیں۔باہر ٹیکسی موجود تھی، جس کا نمبر مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔ہم اس میں بیٹھ گئے تو ٹیکسی چل پڑی۔کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ ڈیش بورڈ پر پڑا سیل فون بج اٹھا۔نوجوان ڈرائیور نے ڈیش بورڈ پر

پڑا سیل فون اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا

"یہ آپ کی کال ہے۔"

میں نے فون پکڑا تو دوسری طرف کرنل سرفراز تھے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

"ہاں۔! کیسا رہا سرپرائز؟"

"پہلے سے کافی خوبصورت ہے۔ لگتا ہی نہیں یہ وہی ہے، جس نے مجھے باغ کی سیر کرائی تھی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بولے

"یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ خیر۔! کہنا تمہیں یہ تھا کہ یہ مہمان ہے۔ جیسے کہے ویسے کرتے جانا۔ اس کے ساتھ طے ہے۔ اور ہاں یہ فون اپنے پاس ہی رکھنا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا تو انہوں نے فون بند کر دیا۔ جو تھوڑا بہت شک تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

ٹیکسی نے ہمیں مال روڈ پر موجود فائیو سٹار ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ استقبالیہ پر بھارتی نژاد برطانوی خاتون کے نام پر سوئٹ بک تھا۔ ہمیں وہاں پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد جب میں فریش ہو کر آیا تو اس نے شارٹس پہن رکھے تھے۔ سامنے مہنگی شراب کی بوتل کے ساتھ لوازمات تھے۔ ایک گلاس میں وہ شراب ڈالے ہلکے ہلکے چسکیاں لے رہی تھی۔ میں نے اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا

"بہت بدل گئی ہو نوتن۔"

"ہاں۔! میں نے فیصلہ کر کے باقاعدہ پلاننگ کر کے خود کو بدلا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے لمبا سا سپ لیا اور یوں گویا ہوئی جیسے خود پر قابو پاتے ہوئے کہہ رہی ہو۔" جمال۔! جب تم چلے گئے تو میں نے بہت سوچا، ہم اتنے دن ساتھ رہے، لیکن تم نے مجھے عورت ہی نہیں سمجھا۔ بلکہ میری بہت ساری خامیوں کو بھی نظر انداز کیا۔ ورنہ میں نے جس کے ساتھ بھی کام کیا، تنہائی میں اس کی پہلی ترجیح میرا جسم ہوا کرتی تھی۔ جرم کی اس دنیا میں ایک عورت ہونے کی وجہ سے ایک طوائف بھی بن جانے پر مجبور تھی۔ اس کی صرف اور صرف ایک وجہ تھی کہ میں طاقتور نہیں تھی، کسی کے سہارے چل رہی تھی۔ رقم تھوڑی ہوتی یا زیادہ، اس کے عوض زندگی کو گھسیٹنے پر مجبور تھی۔ تم سے میں بہت کچھ سیکھا۔ مجھے اپنے ہونے کا احساس ہوا۔ میں نے یہ کام ہی چھوڑ دیا۔ کوئی تین ماہ بعد بانیتا کور میرے پاس آئی، میری اس سے لمبی بات ہوئی۔ تب اس نے مجھے امرتسر چھوڑ دینے کو کہہ دیا اور میں نے چھوڑ دیا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک نیا گلاس بنانے لگی۔

"امرتسر چھوڑ کر کہاں گئی؟"

"ممبئی۔" یہ کہہ کر اس نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا اور میری طرف دیکھ کر بولی، "تب سے میں وہاں ہوں۔ میں نے خود کو پوری طرح بدل لیا۔ اس دن سے میں نے رقم کے لئے نہیں طاقت کا حصول ہی اپنا مقصد بنا لیا۔ اب طاقت بھی ہے اور دولت بھی۔ اب اگر میں چاہوں تو اپنے لئے، وقت گزاری کے لئے کسی لڑکے کو بلا لیتی ہوں۔ کوئی میری طرف دیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ اس کے لئے میں کئی لڑکے پالے ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ سپ لینے کے لئے رکی تو میرے ذہن میں کئی سوال آئے مگر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اس معاملے میں یہ وہیں کی وہیں کی ہے۔ مجھے اس پر کوئی

سوال نہیں کرنا چاہئے، یہ اس کی ذاتی زندگی ہے۔ وہ سپ لے کر بولی،'' جب پچھلے دنوں تم وہاں تھے تو میرا بہت دل کیا تھا تمہیں ملنے کو، مگر اس وقت میں پونا میں پھنسی ہوئی تھی اور تم زوردار سنگھ کے پاس ٹھہرے بھی تو ذرا دیر ہی کے لئے تھے۔ جب تک میں ممبئی آئی، تم وہیں کہیں غائب ہو چکے تھے۔ مجھے دِلی دُکھ ہوا تھا لیکن واہگورو کی مہر سے مجھے تمہارے پاس یہاں بھیج دیا گیا۔''

''کس نے اور کیوں؟'' میں پوچھا

''ظاہر ہے زوردار سنگھ نے مجھے بھیجا۔ مگر ہمارا ایک پرائیویٹ ورک ہے۔ وہ سکھ دھرم ہی کے لئے کام کر رہا ہے لیکن اس کے بہت سارے دوسرے کام بھی ہیں۔ صرف مشن سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اب بات یہ ہے کہ مجھے تمہارے پاس کیوں بھیجا گیا۔''

''وہی تو پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا

''تو یہ تمہیں بتانا ہوگا کہ تم ممبئی میں کیا چاہتے ہو۔ اور میں یا میرا نیٹ ورک تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے، اس حوالے سے میں تمہیں بتاؤں گی کہ ہم کہاں تک کیا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے اس میں دولت کے علاوہ دوسرے مفادات بھی ہوں گے۔'' اس نے واضح طور پر کہا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا

''بہت خوب۔ اتم تو بڑے کام کی چیز بن گئی ہو۔''

''مجھے ذاتی طور پر تمہارے کام آ کر بہت خوشی ہوگی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

''ابھی کھانا کھاتے ہیں۔ پھر بات کرتے ہیں۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر باہر ٹیرس کی جانب بڑھ گیا۔

میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ دنیا میں اپنے مفادات اور مقاصد کے حصول کے لئے بہت کچھ ہو رہا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنا ہدف حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اپناتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پیچھے کوئی ایسی سوچ ہوتی ہے، اور آخر کار بات وہیں اس لکیر پر آ کر رکتی ہے کہ کون انسانیت کے ساتھ ہے اور کون ابلیسیت کا پیروکار۔ اس کے لئے جرائم کی دنیا کو بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس وقت مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے انڈر ورلڈ میں بھی چھوٹی بڑی کمپنیاں بن چکی ہیں۔ اور وہ ساری دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ بے شک اس میں بھی بڑی اور چھوٹی مچھلیاں ضرور ہوں گیں۔ جو اپنے مفاد کے لئے کام کرتی ہیں اور اسے بزنس کا نام دے دیا گیا ہے۔

کہتے ہیں جتنا بڑا شہر ہوتا ہے اتنی بڑی تنہائی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح ہر شہر کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ وہاں کی تہذیب اور ماحول میں بھی انفرادیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ ممبئی بھی ایک ایسا ہی شہر ہے، جس کی بنیاد میں جرم ہے۔

سات جزیروں پر مشتمل شہر ممبئی، جب کوئی نام نہیں ہوا کرتا تھا، اور وہ محض سات مختلف جزیرے تھے، کولابہ، مزاگیون، بوڑھی عورت کا جزیرہ، ودالہ، ماہم، پاری اور ماروتونگا۔ امن پسند ان جزیرون پر ''اشوکا'' کی نگاہ پڑی اور اس نے یہاں پر انہیں اپنے قبضے میں لیکر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ جس طرح اصل بھارتیوں پر آریان نے آ کر حکومت کی اور انہیں شودر بنا دیا۔ اسی طرح یہاں کے اصل باشندوں کو اس نے انتہائی ذلیل کیا تا کہ وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ اشوکا کی موت سے لیکر 1343ء تک یہ جزیرے مختلف ہندوں حکمرانوں کے ہاتھوں منتقل ہوتے رہے۔ اس کے

بعد گجرات ک ے مسلمانوں نے اس پر قریباً دو سو سال تک حکومت کی۔ ماہم کا علاقہ ان کا مرکز تھا جہاں آج بھی اسی دور کی ایک مسجد موجود ہے۔1534ء کے لگ بھگ پرتگیزیوں نے یہاں قدم جمانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے سازش اور طاقت کے ذریعے مسلمانوں سے بہت سارے علاقے چھین لئے۔ خاص طور پر مغربی ساحلی علاقے جو تجارت کے لئے بہت اہم تھے۔ وہ وہاں آباد ہوئے، رومن کیتھولک چرچ بنائے۔ باندرا میں آج بھی سینٹ اینڈریو چرچ موجود ہے۔ انہوں نے انہی علاقوں میں قلعہ نما عمارتیں بنائیں اور آہستہ آہستہ سبھی جزیروں پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے ساتوں جزیروں کے مقبوضہ علاقے کا نام رکھا''بوم بیا''(Bom Baia)، جس کا پرتگیزی زبان میں مطلب ہے''بہت اچھا ساحل''۔ تقریباً ایک سو بیس برس بعد انگریز بادشاہ چارلس نے پرتگیزی شہزادی کیتھرین آف برگنزا سے شادی کی تو یہ بوم بیا ان کی عملداری میں آ گیا۔ یہ شہر انہیں تحفے میں دیا گیا تھا۔ انہوں نے اس کی قیمت یہ پائی کہ ان جزیروں کو دس سونے کے پونڈ کے عوض ایسٹ انڈیا کمپنی کو دے دیا۔ اس سے پہلے ایسٹ انڈیا کا مرکزی دفتر گجرات کے شہر''سورت'' میں تھا، 1687ء میں انہوں نے اپنا مرکزی دفتر یہاں تبدیل کر لیا، یہی جگہ تجارتی مرکز قرار پایا اور انہوں نے اس کا نام بوم بیا سے بدل کر''بمبئی'' رکھ دیا۔ لیکن ساحلی قلیوں نے اس نام کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے اسے''ممبا'' پکارا۔ یہ نام ان کی ممبا دیوی کی نسبت سے تھا۔ جس کا مندر آج بھی بابو ناتھ کے علاقے میں ہے۔ یہ علاقہ چوپڑتی ساحل پر ہے۔ یہ غریب طبقہ کی پہلی بغاوت تھی، جو دبا دی گئی۔ پہلی بار یہ شہر ایک یونٹ میں آ گیا۔ یعنی جزیرے ایک شہر بننے کی ابتدائی سطح پر آ گیا تھا۔

تقریباً پچاس برس کے بعد لگ بھگ 1835ء کے قریب ایک نئی قوت داخل ہوئی۔ رستم جی دوراب بھائی پاٹیل نے اپنا آبائی وطن ایران چھوڑا اور ہندوستان کے اسی ساحلی شہر میں آن آباد ہوا۔ اس کے ساتھ کافی سارے لوگ تھے۔ دراصل یہ زرتشت تھے اور اسلام کے اثرات سے اپنے مذہب کو بچا کر ہندوستان میں محفوظ ہونا چاہتے تھے۔ وہ پارسی جو ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے، انہیں دوراب بھائی نے آ کر اکٹھا کیا۔ اور انہوں نے بھی سازش اور طاقت کے ذریعے برطانوی اور ساحلی قلیوں کی مدد سے ان جزیروں پر قبضہ کیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ پارسیوں نے کم تعداد میں ہونے کے باوجود ایسا کر دکھایا۔ یہ سب انہوں نے اپنی طاقت سے نہیں کیا بلکہ یہ طاقت انہوں نے غریب اور پسے ہوئے طبقے کو استعمال کر کے کی۔ یہیں سے''بھائی گیری'' کا آغاز ہوا۔

پارسی ہی اس''بھائی گیری'' مافیا کے بانی ہیں۔ رستم جی دوراب بھائی پاٹیل نے ایک نئی طرز کی مزاحمت سے اپنی طاقت کا احساس دلایا تھا۔ وہ غریب اور مزدور طبقے سے جنگ پر آمادہ، اور باغی قسم کے نوجوانوں کو چن کر انہیں زبردست طریقے سے استعمال کرتا۔ جو سب سے بڑا غنڈہ ہوتا وہ''بھائی'' کہلاتا۔ یوں اب تک یہی اصطلاح ان غنڈوں کے لئے مخصوص ہے، جو باقاعدہ ایک مثال ہی نہیں روایت بن گئی ہے۔

ممبئی میں جرم کی طاقت سے حکومت کا آغاز ہو چکا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایک گروپ سے نئے گروپ بنتے چلے گئے۔ ان میں علاقے تقسیم ہونے لگے۔ ہر علاقے کا نیا''بھائی'' وجود میں آنے لگا۔ ممبئی کے دولت مندوں نے اپنے مفاد کی خاطر یہ صرف اس طاقت کو استعمال کیا بلکہ اسے پروان چڑھایا۔ رقم اور تحفظ فراہم کر کے تجارتی حلقوں میں اپنا اثر رسوخ اور رعب داب بڑھانے میں کامیاب ہوتے گئے۔ اسی دھارے میں سیاست دان بھی آتے گئے۔ ان سے بھی کام لیا جانے لگا۔ یوں''بھائی گیری'' نے اتنی وسعت اور گہرائی اختیار کر لی کہ یہ مافیا کی صورت اختیار کر گیا۔

''بھائی گیری'' کا خام مال تب بھی اور اب بھی غریب، لاوارث، یتیم اور بگڑے آوارہ بچے ہیں جو اپنے ذہن میں انتقام لے کر پرورش پاتے ہیں۔ یہی انڈر ورلڈ مافیا ہے۔ عورتوں سے لیکر منشیات کے کاروبار تک، انسانی قتل سے لیکر ڈکیتیوں تک، چوری سے اسمگلنگ تک، ایک چھابڑی والے لیکر فلمی پنڈتوں تک سے بھتہ وصولی، تمام تر جرائم اب اسی انڈر ورلڈ مافیا ذمے دار ہے۔ یہ مافیا اس حد تک مضبوط ہو گیا ہے کہ اب ہر شعبے میں بادشاہ گر یہی لوگ ہیں۔ مطلب معمولی جیب کترے سے لیکر حکومتی ایوانوں تک، ان کی گرفت پوری طرح موجود ہے۔ ان سب کا صرف ایک مقصد ہے، ''فائدہ''

بھارت وجود میں آنے کے بعد 1960ء مختلف علاقوں کا ملا کر اسے مہاراشٹر کا نام دے دیا گیا۔ پارسی سیاست سے آؤٹ ہو گئے، ہندو چھا گئے۔ پارسیوں نے ملٹی نیشنل کمپنیاں بنا کر تجارتی حلقوں میں اپنی حکومت بنالی۔ لیکن انڈر ورلڈ مافیا ابھی جڑیں اس حد تک مضبوط کر چکا ہے کہ ان کے بغیر ممبئی چل ہی نہیں سکتا۔

انہوں نے اپنے خام مال کی پیداوار کا بہت خیال رکھا ہوا ہے۔ ممبئی، جہاں فلک بوس عمارتوں کا تسلسل ہے، وہاں دنیا کی سب سے بڑی جھونپڑ پٹی بھی موجود ہے۔ سود کی نحوست سے غریب، غریب تر اور دولت مند امیر ترین ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ساحلی شہر کے اس تناظر میں دیکھا جائے تو کراچی بھی اس ''بھائی گیری'' سے محفوظ نہیں۔ ممبئی اور کراچی میں بہت ہی مماثلت ہے۔ دونوں ساحلوں پر مافیا کا قبضہ پوری طرح موجود ہے۔ اسی کے ساتھ ہی تیسرا ساحل دوبئی بھی ہے۔ ممبئی سے دوبئی تک جرائم کی دنیا پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس پر اب کون حکومت کر رہا ہے؟ یہی سمجھنے کی چیز ہے۔

''یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو؟'' نوین نے کہا تو اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی گردن پر گرم ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے پلٹتے ہوئے نوین کور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چھوڑ دیئے۔ تبھی اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا

''مجھ پر اعتماد نہیں کر پا رہے ہو یا تمہیں یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ تم دراصل چاہتے کیا ہو۔''

''نوین، یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا

''تو پھر کیا بات ہے؟'' اس نے میرے قریب ہوتے ہوئے ہولے سے پوچھا

''میں سوچ رہا ہوں کہ جو میں چاہتا ہوں، وہ تم کر بھی پاؤ گی یا نہیں، لیکن ایک طرح سے تم پر اعتماد کرنے کو بھی جی چاہتا ہے کہ تمہیں کرنل صاحب نے بھیجا ہے۔'' میں نے اس کے بال بگاڑتے ہوئے کہا

''بھیجا نہیں بلوایا ہے مجھے، یہ ذہن میں رکھو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ہنس دیا

''چل کھانا کھاتے ہیں، پھر باغ ہی میں جا کر باتیں کرتے ہیں۔'' میں نے کہا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے میز تک لے آیا۔

سہ پہر ہو رہی تھی، جب ہم دونوں باغ جناح میں داخل ہوئے۔ نوین کور باوجود شراب پینے کے اس قدر نشے میں نہیں تھی، بلکہ سرور والی کیفیت

میں تھی۔ ہم ہوٹل سے پیدل ہی باغ تک آئے تھے۔ مجھے کھلی فضا میں سانس لینا اچھا لگ رہا تھا۔ ایک لان میں سنگی بنچ پر بیٹھتے ہوئے میں نے کہا

"میں نہیں جانتا کہ تمہارے نیٹ ورک کی رسائی کہاں تک ہے، صرف ممبئی کا ایک علاقہ، پورا ممبئی یا پھر دِلی تک بھی رسائی ہے۔ کیونکہ میرا دشمن وہ ہے، جس نے اپنے خونیں پنجے بھارت میں گاڑ لئے ہیں اور اس کی نظر پاکستان پر ہے۔"

"تم ڈیوڈ ربنز کی بات کر رہے ہو، وہی جو ویرا ڈیسائی روڈ کے ساتھ بلڈنگ میں......" اس نے کہا اور جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بالکل وہی، وہ تو نہیں رہا، مگر اس کا نیٹ ورک اب بھی ہے۔" میں نے کہا

"دیکھو، میں تمہیں ایک بات سمجھاتی ہوں۔ جس طرح کچھ لوگ یہودی کو بھارت لانے میں خوش ہیں، اسی طرح کچھ لوگ مخالف بھی ہیں۔ وہ اسے وہاں نہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ یہ زہریلا ناگ ہے، دودھ پلانے والے کو بھی کاٹ لیتا ہے۔ میں مانتی ہوں، انہوں نے بھارت میں بہت گہرائی تک رسائی لے لی ہے، مگر یہ ناممکن نہیں ہے۔ اسے ختم کیا جا سکتا ہے۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا

"یہ بات نشے میں تو نہیں کہہ رہی ہو، یا فقط مجھے حوصلہ دے رہی ہو یا پھر تمہیں اس کی سنگینی کا احساس نہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کا مقصد صرف اسلحہ فروخت کرنا ہے۔" اس نے سکون سے کہا

"نہیں، صرف اسلحہ فروخت کرنا نہیں ہے، اور بہت کچھ ہے۔" میں نے تشویش سے کہا

"یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ رات تک میں تمہیں اس بارے میں بتا دوں گی، فی الحال اپنی بات کرو۔ تھوڑی پیار بھری باتیں، ایسا سکون، جسے میں یاد رکھوں۔" اس نے خمار آلود لہجے میں کہا

"ایسا کیا ہو سکتا ہے، تم میرے بارے جانتی تو ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔ اس دوران اس نے اپنا سیل فون نکال کر پیغام بھی ٹائپ کرتی رہی۔ مجھے لگا کہ وہ ڈیوڈ ربنز بارے لکھ رہی ہے۔ یہ پیغام تو منٹوں میں پکڑا جا سکتا تھا۔ اور ایسی صورت حال میں جبکہ اس کے قاتلوں کو بڑے پیمانے پر تلاش کیا جا رہا ہو۔ کچھ دیر بعد وہ پیغام لکھ چکی تو میں نے اپنی تشویش بارے کہا تب وہ ہنس دی۔ پھر اپنا سیل فون مجھے دیتی ہوئے بولی

"پڑھ لو۔"

میں نے سیل فون پکڑا اور پڑھا، مگر پڑھ نہ سکا، وہ اوٹ پٹانگ زبان تھی۔ اس نے کوڈ ورڈز میں لکھا تھا۔ میں نے اسے سیل فون واپس کر دیا۔ اس نے وہ پیغام بھیج دیا۔ ہم وہاں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس نے مجھے بہت ساری معلومات دیں۔ سورج ڈھل گیا تو ہم اسی طرح پیدل واپس آ گئے۔

ڈنر کے بعد نوتن کور نے ایزی لباس پہنا اور میرے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے بارے میں بتاتی رہی اور میں سنتا رہا۔ میں اس کی باتیں اس لئے سنتا رہا کہ اس کی رسائی بارے معلوم ہو سکے۔ وہ ممبئی میں ہونے والی اپنی وارداتوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ بارہ سے زیادہ کا وقت ہو گیا ہوا تھا کہ اس کے سیل فون پر پیغام آ گیا۔ اس نے دیکھا اور پھر اپنے فون پر ای میل بکس کھول لیا۔ وہ چند لمحے پڑھتی رہی، پھر بولی

''یہ ڈیوڈ ریبنز والا نیٹ ورک بظاہر حکومتی سائے میں ہے، مطلب بھارتی ایجنسیاں انہیں تحفظ دیتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کے لوگ یہاں ہیں جو بہت کم تعداد میں ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فعال ہیں۔ وہ کئی دوسرے امور کے لئے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ گنتی کہ یہ لوگ، بھارتی ایجنسیوں کی پشت پر ہیں۔''

''اگر انہیں ختم کرنا ہوگا تو بھارتی ایجنسیوں ہی سے لڑنا ہوگا۔ وہی ان کا سامنا کریں گیں۔'' میں نے کہا

''ایسا تو ہے، اب بولو کیا کرنا ہوگا۔'' اس نے پوچھا تو میں نے چند لمحے سوچ کر کہا

''میں بتادوں گا۔''

''اوکے، اور یہ نام لکھ لو، جو یہاں اسی شہر اور کراچی میں موجود ہیں، جو ان کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور نام بھی لکھ لو جو یہودیوں کی بھارت آمد کے مخالف ہیں۔''

''یہاں کسی پیڈ پر لکھ دو اور سو جاؤ۔ صبح تمہیں جانا بھی ہے۔'' میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

میں اپنے بیڈ پر آ کر لیٹ گیا تھا۔ میری سوچیں بہت پھیل گئیں تھیں۔ لیکن سونے سے پہلے میں سوہنی سے رابطہ کرنا نہیں بھولا۔ اسے میں نے بتادیا کہ میں لاہور میں ہوں۔

☆......☆......☆

مارکیٹ میں ہونے والے ناخوشگوار واقعے کی اطلاع ہم سے پہلے ہی اوگی پنڈ میں پہنچ چکی تھی۔ سردار ویر سنگھ کے ساتھ بلبیر سنگھ پنچ اُن کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''دکھ یہ نہیں کہ اس نے کمینہ پن دکھایا، دُکھ یہ ہے کہ ہماری ملاقات کی تفصیل کس نے اس تک پہنچائی۔'' ویر سنگھ نے بوجھل لہجے میں کہا

''سرادر جی، یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے کسی منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اندر ہی کہیں کالی بھیڑیں ہیں۔ ان کا پتہ کریں۔'' بلبیر سنگھ نے کہا

''کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ سب سامنے آجائے گا۔ آپ بس کل سے گرودوارہ سیوا شروع کریں۔ پہلے شاید کہیں کسی دوسرے پنڈ سے ہوتی۔ اب اسی باجوے کے پنڈ سے شروع کریں گے۔ کیا یاد کرے گا وہ۔'' جسپال نے کہا تو سب نے اس کی طرف دیکھا۔ بلبیر سنگھ نے بات سمجھ لی تھی، اس لئے ایک دم سے ہنس دیا۔ کچھ دیر غور کرنے پر ویر سنگھ کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی۔ اصل میں یہ پورے علاقے میں اپنی طاقت کا اظہار تھا۔

''پھر تو پتر ہمیں نکلنا چاہئے، دن کتنا رہ گیا ہے، کل کی تیاری میں کچھ وقت تو چاہئے نا۔'' ویر سنگھ بے چین ہوتے ہوئے بولا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ بلبیر سنگھ پنچ بھی اٹھ گیا۔ ان کے جانے کے بعد کلجیت کور نے رونیت کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

''معاف کرنا پتر، تو پہلی بار ہمارے گھر آئی اور پہلی بار تمہیں اس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔''

''اوہ بے جی، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دھیمے سے بولی، ''روز کا یہی کام ہے۔''

اس پر سبھی ہنس دیئے۔

''چل رونیت، تمہیں ڈریس دوں اور تو فریش ہو کر پہن لے۔'' ہرپریت اُسے اپنے کمرے کی جانب لے جاتے ہوئے بولی تو جسپال اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ کافی حد تک خوشگوار تھا۔

جسپال، ہرپریت، انوجیت اور رونیت، چاروں شام ہونے تک چھت پر کھلی فضا میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کسی بات کا سرا شروع ہوتا تو وہ پھیلتا جاتا۔ جُوتی ان کے لئے کھانے پینے کا سامان لاتی رہی۔ اس وقت سورج ڈوبنے کو تھا، جب جسپال کے سیل فون پر کال آ گئی۔

''کون ہے جسپال؟'' ہرپریت نے پوچھا

''تم شاید اسے نہیں جانتی، یہ بانیتا کور ہے۔ اس سے پوچھ لو۔'' اس نے رونیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کال پک کرلی۔

''اوہ شکر ہے تم نے کال پک کرلی۔'' بانیتا نے تیزی سے کہا۔ اس کا لہجہ نارمل نہیں تھا

''خیر تو ہے بانیتا؟'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا

''اوئے خیر ہی تو نہیں ہے۔ کہاں ہے تُو؟'' اس نے اسی لہجے میں پوچھا

''میں اوگی میں ہوں۔ اپنے گھر۔'' اس نے جواباً کہا

''دیکھ، ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تو اپنے گاؤں سے دور ہو جا، اس طرح وہاں سے جانا ہے کہ گھر والوں کو کوئی پوچھ تاچھ میں تنگ نہ کرے۔ سکون سے سننا، تمہارے بارے میں ''را'' والوں نے فائل کھول لی ہے۔ اس میں بہت کچھ ہے۔ وہ چاہے حقیقت ہے یا فرضی۔ تمہیں پھنسانے کے لئے، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ تمہارے گھر پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔ ہو سکتا ہے مجھے ہی بتانے میں دیر ہو گئی ہو۔'' اس نے تیزی سے تفصیل بتائی

''میں سمجھا نہیں، تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟

''میں تمہیں سب سمجھا دوں گی، تمہیں نکلنے میں بھی وقت لگ سکتا ہے، وہ تیرے گھر کی دہلیز تک پہنچ گئے ہوں گے، یا پہنچنے والے ہوں گے۔'' اس نے الجھتے ہوئے کہا

''تمہیں کیسے پتہ؟ اور میرے بارے......'' جسپال نے پوچھنا چاہا تو وہ بات کاٹتے ہوئے بولی

بکواس بند کرو اور نکلو۔ میں جالندھر آ رہی ہوں۔ سب کچھ سمجھا دوں گی۔''

''او کے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا

''کیا کہہ رہی تھی۔'' رونیت نے پوچھا تو اس نے سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے ایک منٹ میں ساری بات کہہ دی۔

''یہ کیا ہوا؟'' ہرپریت نے اس کے پیچھے لپکتے ہوئے پوچھا تو رونیت بھی ان کے پیچھے جاتے ہوئے بے چین ہو کر بولی

''ہم نکلتے ہیں جسپال۔''

''او کے، نکلو۔'' جسپال نے کہا اور پھرتی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ وہ نیچے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ جسپال باہر کی جانب بڑھنے لگا۔ تبھی ہرپریت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''یہ سب اچانک، ایسا کیا ہو گیا؟''

''میں تمہیں سب تفصیل سے فون پر بتاؤں گا۔ بانیتا غلط نہیں کہہ سکتی، ضرور کچھ ہوگا۔'' اس نے ہرپریت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

''یہاں کا کون خیال کرے گا، ؟ بولو، بتاؤ مجھے۔'' یہ کہہ کر اس نے پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا''سنو! چاہے کچھ بھی ہو جائے، سردار ویر سنگھ کے ساتھ گرودوارہ سیوا کی ریلی میں ضرور شامل ہونا ہے۔ وہ بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ہرپریت ایک دم سے مانتے ہوئے بولی اور پھر ایک طرف ہٹ گئی۔ جسپال نے اسے یوں دیکھا جیسے ہرپریت کو اپنے دل میں اُتار رہا ہو۔ چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد وہ پلٹ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پیچھے انوجیت بڑھا اور پھر پورچ میں رک کر فون کرنے لگا۔ جسپال اور رونیت پورچ میں کھڑی کار میں بیٹھے اور اگلے چند لمحوں میں وہ کوٹھی سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔

ابھی وہ اوگی پنڈ اور جالندھر شہر کے درمیان تھے، اسی وقت جسپال کا فون بج اٹھا۔ انوجیت کی کال تھی۔

''بانیتا کی بات ٹھیک ثابت ہوئی ہے، تمہارے جانے کے یہی کوئی چار پانچ منٹ بعد دو لوگ آئے تھے۔ وہ خود کو سی بی آئی کے بتا رہے تھے۔ انہوں نے تمہارا ہی پوچھا تھا۔''

''کیا کہہ رہے تھے؟'' جسپال نے پوچھا

''یہی کہ اس سے ملوائیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ کچھ دیر پہلے جالندھر چلا گیا ہے۔ اس نے فون نمبر مانگا ہے تو میں نے دے دیا۔ کیا اس نے بات کی؟''

''ابھی تک تو نہیں کی، لگتا ہے،، وہ جالندھر میں داخل ہوتے وقت ہی مجھ سے ملنا چاہتے ہوں گے۔ خیر کوئی اور بات؟'' جسپال نے پوچھا

''اور بات تو کوئی نہیں ہے، تمہارے بارے میں اوٹ پٹانگ سوال کرتے رہے۔ میں نے بلبیر سنگھ پنچ کو کال کر دی تھی، وہ آ گئے۔ پھر انہوں نے اتنی بات نہیں کی اور چلے گئے۔''

''ٹھیک ہے اپنا اور سب کا خیال رکھنا، سردار ویر سنگھ سے رابطہ ضرور رہے تمہارا، بلکہ اسے بتا دو۔ میں بعد میں بات کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر جسپال نے فون بند کر دیا۔ اور ساری بات رونیت کو بتا دی۔ وہ تشویش سے بولی

''یار معاملہ کیا ہو گیا ہے؟ اس کی سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ میں سندو سے رابطہ کرتی ہوں۔ اسے بتا دوں۔''

جس وقت وہ جالندھر کے قریب پہنچے، اس وقت تک نہ صرف سندو سے رابطہ ہو چکا تھا، بلکہ وہ بانیتا کور کے ساتھ رابطے میں بھی تھے۔ اسے بھی اوگی میں سی بی آئی کے بندوں کے آنے کے بارے پتہ چل گیا تھا۔ بانیتا نے اسے شہر سے باہر ایک فارم ہاؤس کا پتہ بتایا اور اسے وہیں پہنچنے کو کہہ دیا۔

وہ فارم ہاؤس جالندھر شہر سے مشرق کی جانب جی ٹی روڈ پر ذرا ہٹ کر کوٹ کلاں میں تھا۔ جس وقت تک وہ پہنچے، سندو وہاں آ چکا تھا۔ فارم ہاؤس کا منیجر ایک لمبا چوڑا ابھاری جسم کا سکھ نوجوان تھا۔ وہی سب دیکھ رہا تھا۔ سندو ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا، جب جسپال اور رونیت وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی سندو نے پوچھا

''یار جسپال، یہ سب اچانک کیا ہو گیا ہے؟''

''مجھے خود نہیں معلوم، بانیتا نے یہ سب بھگدڑ مچا دی ہے، وہ آئے گی تو پتہ چلے گا۔'' یہ کہتے ہوئے جسپال صوفے پر بیٹھ گیا اور اسے بھی سی بی آئی کے بندوں بارے بتا دیا

''باقی سب ٹھیک ہے نا۔'' رونیت نے سرسری سے انداز میں پوچھا

''ہاں، سب ٹھیک ہے، وہ پروفیسر کی بیوی کو اس کے آبائی گاؤں بھیج دیا ہے، وہاں اس کا کوئی بھتیجا اب بھی ہے، ہرپال گیا ہے اسے چھوڑنے۔'' سندو نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا

''کیوں، ہم اس سنبھال سکتے تھے۔'' رونیت بولی

''اچھا کیا، ورنہ اس کی بھی زندگی کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ خیر جب تک بانیتا آتی ہے، کوئی چائے وائے ہی پی لی جائے۔'' میں نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

اس وقت ہم چائے پی چکے تھے، جب بانیتا کور آندھی اور طوفان کی طرح وہاں آ گئی۔ اس نے آتے ہی کہا

''جسپال، سندو، اس وقت ہم بہت زیادہ خطرے میں ہیں۔ جس کا تم لوگوں کا اندازہ نہیں۔''

''کچھ بتاؤ گی بھی یا......'' سندو نے چڑتے ہوئے کہا تو بانیتا نے اندر کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

''آؤ، میں تمہیں دکھاتی ہوں۔''

ہم تینوں ایک بیڈ روم میں چلے گئے۔ اس نے ایک یو ایس بی نکالی اور سامنے پڑے ہوئے ڈی وی ڈی میں لگا دی۔ ٹی وی اسکرین روشن ہو گئی۔ وہ کسی کانفرنس ہال میں ہونے والی بات چیت کی ویڈیو تھی۔ وہاں چند آدمی ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ایک اسکرین تھی۔ جس پر بانیتا کور کی تصویر تھی۔ کوئی اس کے بارے میں بریف کر رہا تھا

''سر! یہ ہے بانیتا کور، جس کا تعلق تو امرتسر سے ہے، لیکن یہ یہاں ممبئی میں پائی جا رہی ہے۔ یہ حیرت کی بات نہیں کہ یہ ممبئی میں کیوں ہے۔ اس کا ماضی ایسا ہی ہے کہ یہ جرائم کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے مگر ثبوت نہ ہونے کہ وجہ سے کبھی پکڑی نہیں گئی۔ حیرت یہ ہے کہ نرمین ہاؤس میں اس کا ہونا اور اس پاکستانی کے ساتھ۔ یہ دیکھیں۔'' یہ کہہ کر اس کی مختلف تصویریں دکھائی جانے لگیں۔ یہ سب نرمین ہاؤس میں لگے خفیہ کیمروں سے لی گئیں تھیں۔ لفٹ میں، ڈیوڈ ربینز کے کمرے کے باہر، انکے کنٹرول روم میں۔ کوئی کہہ رہا تھا

''یہ سوال اپنی جگہ، یہ تو اسے پکڑ کر ہی پوچھا جا سکتا ہے نا کہ وہ وہاں پر کیا کر رہی تھی۔ کیونکہ اس پاکستانی کے ساتھ یہ مختلف جگہوں پر دیکھی گئی ہے۔''

''ٹھیک ہے، اسے پکڑو۔ مزید کیا ہے؟'' کسی نے رعب دار آواز میں حکم دیتے ہوئے پوچھا

''مزید یہ ہے سر کہ جس وقت نرمین ہاؤس پر حملہ ہوا، اس سے کچھ ہی دیر پہلے رامیش پانڈے پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ اس کا ایک گارڈ مارا جاتا ہے۔ رامیش پانڈے سے کچھ سوال پوچھے جاتے ہیں۔ ان میں ایک فون نمبر بھی پوچھا جاتا ہے جو کہ نرمین ہاؤس ہی کا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد ہی وہاں حملہ ہو جاتا ہے۔ مطلب رامیش پانڈے پر قاتلانہ حملہ اور نرمین ہاؤس پر حملہ ایک ہی سلسلے کی کڑی ہے۔ کیونکہ وہاں سے ہمیں کچھ مزید شواہد ملے ہیں۔''

''وہ کیا ہیں؟'' اس رعب دار آواز والے نے پوچھا

''سر یہ دیکھیں، یہ تصویر، اس میں ایک لڑکا ہے اور یہ ایک لڑکی، یہ گوا کے ہوٹل سے لی گئی تصویر ہے۔ چھان بین سے یہ پتہ چلا ہے کہ فائرنگ ان دونوں نے کی ہے۔ جس کمرے سے کی گئی، وہاں موجود جوڑے نے ان کی تصدیق کی ہے، انہوں نے اس جوڑے کو باندھا اور بے ہوش کر کے بیڈ کے نیچے ڈالا۔''

''ان کے بارے پتہ چلا۔'' رعب دار آواز میں پوچھا گیا تو بریف کرنے والے نے کہا

''یہ لڑکی تو چندی گڑھ کی ہے۔ اس کے بارے میں شک ہے کہ یہ جرائم پیشہ لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کے ساتھ اس کا تعلق تھا، چند دن پہلے وہ پروفیسر قتل ہو گیا ہے۔ ریکارڈ پر کسی کا کوئی جرم نہیں۔ اور یہ لڑکا، اس کا نام جسپال سنگھ ہے۔ اگر چہ یہ کینیڈا سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہاں اوگی پنڈ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں رہتا ہے۔ پولیس اور سی بی آئی کے مطابق جب سے یہاں آیا ہے اس کی سرگرمیاں مشکوک ہیں، ایک معاہدہ بھی آن ریکارڈ ہے۔ جن کے ساتھ معاہدہ ہوا، وہ لوگ قتل ہو گئے۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ ہوا، یہ سب فائل میں ہے، جو آپ کے سامنے پڑی ہے۔''

''سر ایک دوسری بری خبر یہ ہے کہ جس آفیسر کو اس پروفیسر کو راستے سے ہٹانے کا ٹاسک دیا گیا تھا، وہ ابھی کچھ دیر پہلے گھر سے نکلتے ہوئے دہشت گردوں کے ہاتھوں اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس کی پوری تفصیل آ گئی ہے ہمارے پاس۔''

''اوہ۔!'' یہ کہہ کر چند لمحوں کی خاموشی رہی پھر اس رعب دار آواز والے نے کہا، ''اسے بھی پکڑو اور پوری طرح دیکھو، یہ سب مختلف جگہوں کے لوگ ایک جگہ کیسے؟ اور ان کا ہدف نرمین ہاؤس ہی کیوں؟ پاکستان سے ان کا تعلق کیا ہے۔ یہ سب مجھے آج رات سے پہلے چاہئے۔ ہری اپ۔'' اس کے ساتھ ہی وہ فلم ختم ہو گئی۔

''تمہیں یہ کیسے ملی، مطلب فلم؟'' سندو نے تیزی سے پوچھا تو بانیتا نے گہرا سانس لے کر کہا

''اچھا چور وہ ہوتا ہے جو نکلنے کا راستہ پہلے بنا کر رکھے۔ اگر ہم اپنے چور راستے ان فورسز میں بنا کر نہ رکھیں تو کب کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے گل سڑ گئے ہوتے۔ یہ ہائی پروفائل میٹنگ تھی دِلی میں۔ جواب سے پانچ گھنٹے پہلے ہوئی تھی۔ اطلاع مجھے پہلے ملی اور یہ فلم بعد میں۔ اب بتاؤ، میں، رونیت اور تم کیا کریں؟''

'' کچھ بھی نہیں، بس چند دن زیر زمین رہو، دھول بیٹھ جائے تو باہر نکل آئیں۔'' سندو نے سکون سے کہا

''کوئی دوسرا ہوتا تو مجھے تمہاری اس احمقانہ بات پر اتنا افسوس نہ ہوتا، بے وقوف بھارت سرکار اس بے غیرت یہودی کے بارے میں کس

قدر پریشان ہے تم نے اس کا اندازہ نہیں کیا۔ کس طرح انہوں نے چھان بین کی ہے اور وہ جان گئے ہیں کہ یہ سب کن لوگوں نے کیا ہے؟"

"اس وقت میں تمہاری ذہنی حالت کے بارے میں جانتا ہوں بانیتا، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" سندو نے کافی حد تک خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

"میرے پاس اس کا ایک حل ہے۔" جسپال نے سکون سے کہا

"وہ کیا؟" بانیتا نے تیزی سے پوچھا

"وہ یہ کہ میں خود کو پولیس یا جو فورس بھی مجھے پکڑنا چاہے، اس کے حوالے کر دوں، تشدد ہو گا جو بھی ہو، میں یہ ثابت کر دوں گا کہ میں وہاں گوا میں نہیں تھا۔" جسپال نے اسے سمجھاتے ہوئے

"تم کسی یورپ کی فلم والی فورسز کے پاس نہیں جا رہے ہو۔ جو تمہیں مہمان بنا کر رکھے گی۔ تیرا ریشہ ریشہ الگ کر کے تجھے ماریں گے اور تمہاری لاش کا بھی پتہ نہیں چلے گا۔" رونیت نے غصے میں کہا

"تو پھر کیا کریں؟" جسپال نے پوچھا

"وہی جو میں نے کہا ہے۔ آج رات یہاں سکون سے رہو، کھاتے پیتے ہیں، انجوائے کرتے ہیں۔ اس دوران سوچ لیں گے۔" سندو نے کہا تو بانیتا ایک دم سے مسکرا دی۔ پھر بولی

"ہاں یار۔ ٹینشن سے مسئلہ حل تو نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے مینیجر کو بلایا اسے کافی کچھ ہدایات دے دیں۔ وہ سب اٹھے اور مختلف کمروں میں جا کر سو گئے۔ اندھیرا پھیل چکا تھا، جب انہیں جگایا گیا۔

ڈنر بہت خوشگوار ماحول میں لیا گیا۔ اس کے بعد بانیتا نے تینوں کو بتایا۔

"دِلّی کی اپڈیٹ یہ ہے کہ انہیں نہ تو بانیتا کور ملی ہے امرتسر میں، وہ ممبئی ہی سے واپس نہیں آئی۔ نہ ہی رونیت چندی گڑھ میں ملی، آخری بار اسے پروفیسر کے انتم سنسکار پر دیکھا گیا تھا۔ اب ان کا کوئی بندہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جسپال آخری مرتبہ اوگی اور جالندھر کے درمیان دیکھا گیا ہے کسی لڑکی کے ساتھ۔ وہ چشم دید اوگی گاؤں ہی کا آدمی ہے۔ لہذا اب سارا زور جالندھر میں جسپال کو تلاش کرنے میں لگایا جائے گا۔ اور وہ سب اس مقصد کے لئے نکل پڑے ہیں۔"

"ایک منٹ ایک منٹ......" رونیت نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا، "یار جسپال، تیرا اسیل فون نمبر انہوں نے لیا، اب تک اس کی مدد سے وہ یہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے تمہیں کال کی ہے۔ یہ کیا بات ہے؟"

"انوجیت نے جو سیل نمبر دیا ہے، وہ نکودر کے ایک ڈیرے پر پڑا ہے۔ اسے کوئی نہیں سنتا۔ یہ اگر وہاں پہنچے تو سوائے سیل فون کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ انوجیت پاگل نہیں ہے۔"

"واؤ۔! کچھ سوچا؟" بانیتا نے پوچھا

''یہی کہ آج رات اس بندے کو ختم کرنا ہے، جس نے میری دبی ہوئی نیم مردہ فائل میں دوبارہ جان ڈالی ہے۔ اور وہ ہے مان سنگھ۔ ابھی کچھ دیر پہلے انوجیت نے مجھے بتایا کہ میری خبر دینے والا وہی ہے۔''

''چل یار کئی دن ہو گئے، کچھ کیا نہیں۔'' سندو نے انگڑائی لے کر کہا تو بانیتا ہنس دی۔

''مزہ آ گیا یار، مجھے ایسے ہی حوصلے والے بندے چاہیں تھے۔ چل یہ جسپال کا اک چھوٹا سا کام کریں، پھر تم لوگوں کو ایک بڑے کام پر لگاتی ہوں۔''

''وہ کیا؟'' رونیت نے پوچھا

''وہ آ کر بتاتی ہوں، پہلے یہ بیگار بھگت لیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ زوردار انداز میں ہنس دی۔

تقریباً رات کے دس بجے کا وقت ہو گا، جب وہ فارم ہاؤس سے نکلے۔ جسپال نے انوجیت سے کہہ کر بندے لگا دیئے تھے۔ بہت محتاط ہو کر وہ وہاں پہنچے تو ایک گھنٹہ گذر چکا تھا۔ مان سنگھ نے اپنی حویلی اوگی پنڈ کے باہر اپنی زمینوں میں بنائی ہوئی تھی۔ حویلی سے کافی دور انہوں نے اپنی فور وہیل جیپ روک دی۔ وہ چاروں ہی تھے۔ جسپال کا رابطہ وہاں کے ایک لڑکے سے تھا، جو ساری خبر دے رہا تھا۔ اس وقت وہاں پر صبح ہونے والی گرودوارہ سیوا ریلی روکنے کی بات ہو رہی تھی۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکا جائے۔ سکیورٹی والے تھوڑے بندے تھے جن کی پوزیشن بارے زیادہ معلوم نہیں ہو پایا تھا۔ اس نے اچھی طرح پوچھا تھا کہ چھت پر سیکورٹی گارڈ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب اسے یہی ملا تھا کہ ہوتے ہیں مگر اس وقت نہیں ہیں، وہ رات دیر سے چھت پر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں یہ پکا معلوم ہو گیا تھا کہ وہاں چوکی کا تھانیدار، وہی سی بی آئی کے دو بندے اور اُوگی کے وہ لوگ تھے، جو کبھی رویندر سنگھ کے وفادار تھے اور اب مان سنگھ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ربّ نے اسے بہت بڑا موقعہ دے دیا ہے۔

وہ چاروں جیسے ہی حویلی کے گیٹ پر گئے، وہاں سیکورٹی پر لگے ہوئے دو بندوں نے انہیں آگے جانے سے روکا۔ سندو نے بنا کوئی لفظ کہے فائر کر دیا۔ پسٹل پر سائیلنسر لگا ہوا تھا، ٹھک کی آواز آئی اور سیکورٹی گارڈ گرتا چلا گیا، سندو نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کہ اس کی چیخ نہ نکلے۔ اس سے پہلے کہ دوسرے کو سمجھ آتی، جسپال نے ایسا ہی کیا۔ اس کے سینے میں بھی فائر دے مارا، اس کے گلے سے آواز بھی نہ نکل سکی۔ ان دونوں کو ایک طرف لگا کر وہ آگے بڑھے، تب تک رونیت اور بانیتا آگے جا چکیں تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ مان سنگھ بہت سارے لوگوں کے درمیان سائیڈ والے لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں آگے بڑھیں اور ذرا فاصلے سے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو تاکنے لگیں۔ انہیں یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان میں سے مان سنگھ کون ہے، لیکن انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ سی بی آئی والے کون ہو سکتے ہیں یا ان میں پولیس والا کون ہے۔ اس لان میں سی بی آئی والے دور ہی سے پہچانے جا رہے تھے۔ ان تینوں نے سفید سفاری سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ رونیت نے اپنی طرف سے پولیس والے کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ اسی لمحے جسپال وہیں آ پہنچا، اب اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اس نے مان سنگھ کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دو چار لمحوں کی دیری سے ان دونوں کی چیخ بلند ہوئی۔ تبھی ان چاروں نے پھیل کر پے در پے فائرنگ شروع کر دی۔ سامنے بھگدڑ مچ چکی تھی۔ لیکن جو بھی ان کی رینج میں آتا، گولی اس کے لگ جاتی۔ دو

منٹ کے دورانیے میں سامنے لاشیں بکھری ہوئیں تھیں۔ دور کہیں سیکورٹی والے بے آواز فائرنگ سے نہیں اتنی چیخ وپکار ہونے پر متوجہ ہوئے تھے۔ تبھی بانیتا نے کہا

"نکلو" یہ کہہ کر وہ پیچھے پلٹنے لگی۔ رونیت اس کے کور پر تھی۔ اسی لمحے جسپال لان کی جانب بڑھ گیا۔ وہ تیزی سے ان سفاری سوٹ والوں کے پاس گیا، ان کی جیبیں ٹٹولیں، ان میں سیل فون ملے، وہ لے کر فوراً ہی پلٹ پڑا۔ سندو اس کے کور پر تھا۔ اسی طرح سندو اور جسپال پیچھے ہٹے۔ ان کی راہ میں کوئی نہیں آیا۔ شاید اتنی لاشیں دیکھ کر ان کا حوصلہ نہیں پڑا تھا۔ وہ پوری قوت سے بھاگتے ہوئے وہاں تک آئے جہاں ان کی فور وہیل کھڑی تھی۔ جسپال نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اگلے چند منٹوں میں وہ جالندھر جانے والی سڑک پر تھے۔

وہ شہر کے قریب پہنچنے والے تھے۔ تبھی سی بی آئی والوں کا ایک سیل بج اٹھا۔ سندو نے کال رسیو کی تو دوسری طرف سے کسی نے انگریزی میں تیزی سے پوچھا

"ہیلو، نریش، کیسے ہو تم اور یہ خبر کیا ہے کہ......"

"کون بات کر رہا ہے۔" سندو نے کسی فلم کے ولن کے جیسے انداز میں پوچھا

"کون ہو تم؟"

"تیرا باپ بات کرت ہوں، بھڑوی کے۔ جسے تو نے پھون لگایا ہے، اس کا بڑے افسر سے بات کرا۔"

"کیا مطلب۔!" دوسری طرف سے حیرانگی میں پوچھا گیا

"ابے بھڑوی کے، تجھے سمجھ نا ہی آوت ہے، بولا کسی افسر سے بات کرا۔" اس نے جان بوجھ کر اپنا لہجہ اور آواز بدل کے بات کی تھی

"میں ہی اس کا آفیسر بات کر رہا ہوں۔"

"تو پھر سن۔! تیرا وہ ملازم ترنت دنیا چھوڑ گیا ہے، میں نے اس کے سینے ما گولی اتاری۔ کدھر بھلا بولو۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو، کون ہو تم؟"

"اماں بتایا تو ہے تیرا باپ۔ بولو کہاں گولی لگی؟"

"تو نے اسے مار دیا ہے لیکن اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا تو فون جسپال نے لیتے ہوئے کہا

"دیکھ، تو کوئی بھی ہے، تجھے ہماری لوکیشن کا پتہ تو چل ہی جائے گا۔ لیکن جس کے لئے یہ لوگ اس گاؤں میں آئے تھے، اسے پکڑنے کے لئے پرائم منسٹر یا کم از کم چیف منسٹر سے پوچھا ہوتا۔ وہ تو اب پتہ نہیں کہاں ہے، لیکن اس کا پیغام اپنے سارے لوگوں کو دے دو۔ جس نے بھی اس بندے کو یا اس سے متعلق کسی بندے کو بھی پکڑنے یا ہاتھ بھی لگانے بلکہ برا سوچنے کی بھی کوشش کی، وہ سمجھو اپنی موت پر مہر لگا رہا ہے۔" یہ کہہ کر دوسری طرف سے کچھ بھی سنے بغیر اس نے فون بند کیا اور کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

"پیغام تو دے دیا، اب یہ دوسرا بھی پھینک دوں۔" سندو نے پوچھا

''نہیں اس پر بھی کال آئے گی۔ یہی کہنا، بلکہ رونیت تم کہنا۔'' وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس فون پر بھی کال آ گئی۔ رونیت نے ایسا ہی پیغام دیا اور فون باہر پھینک دیا۔ انہوں نے طویل سانس لی اور پوری توجہ سڑک پر لگا دی۔

واپس فارم ہاؤس تک آتے ہوئے آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ فور وہیل گیراج میں لگوانے کے بعد ہی بانیتا سکون سے اندر چلی گئی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان سب کے سامنے یہی سوال ہوگا کہ اب کیا کرنا ہے؟

☆......☆......☆

وہ ایک روشن صبح تھی۔ لاہور پر سورج چمک رہا تھا جب میں اور نوتن کور ہوٹل کے باہر پورچ میں کھڑی کار تک آ گئے۔ وہیں سے واہگہ کے لئے نکلنا تھا۔ کار میں بیٹھتے ہی نوتن نے کہا

''جس طرح کوئی سکھ امرتسر آئے اور وہ دربار صاحب نہ ہو کر جائے، اسی طرح جو لاہور آئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مڑھی نہ جائے تو عجیب سا لگتا ہے۔''

''تم وہاں جانا چاہتی ہو، تمہیں کوئی کا مسئلہ تو نہیں ہوگا؟'' میں نے پوچھا

''نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ پھر پتہ نہیں لاہور دوبارہ آ بھی سکوں یا نہیں۔'' اس نے کہا تو ڈرائیور نے کار دائیں طرف کی بجائے کار بائیں جانب موڑ لی۔ وہ صبح کا وقت تھا، جب ہم مال روڈ سے جا رہے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم مینار پاکستان کے سامنے جا رکے۔ میں بھی پہلی بار وہاں گیا تھا۔ ہم روڈ پر ہی تھے۔ رنجیت سنگھ کی مڑھی کی جانب مڑتے ہی آگے کوئی رکاوٹ تھی۔ ڈرائیور کو کار روکنا پڑی۔ میں وہیں اتر گیا تو نوتن کور نے کار میں سے باہر جھانک کر حیرت سے پوچھا

''کیا ہوا، یوں کار کیوں......''

میں نے پوری شان سے کھڑے مینار پاکستان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم چلو، میں آتا ہوں۔''

وہ آگے بڑھ گئے اور میں مینار پاکستان کو دیکھنے لگا۔ میں ہی جانتا ہوں کہ اس وقت میرے دل میں کیسے جذبات تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں پاکستان کا نام لئے بغیر اس کی قرارداد منظور ہوئی تھی۔ میں نے چشم تصور سے اس مجمع کا ادراک کرنا چاہا تو ایک دم سے سارے منظر ہٹ گئے۔ حال میرے سامنے نہیں رہا، بلکہ وہ پارک لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہی ۱۹۴۰ء کا منظر میرے سامنے تھا۔ ملی جذبے سے لوگ نعرے لگا رہے تھے۔ دور اسٹیج پر قائداعظم محمد علی جناحؒ تقریر کر رہے تھے۔ ان کی آواز پنڈال میں گونج رہی تھی۔ ایک روشنی اور نور کا ہالہ ان کے اردگرد تھا۔ میرے دل میں آیا کہ یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے۔ وہ روشنی کا ہالہ پورے مجمعے کے لوگوں پر پھیلا ہوا تھا۔ میں نے اس روشنی کے منبع کو دیکھنا چاہا تو وہ میری پشت پر سے آ رہا تھا۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو وہ روشنی کا ہالہ بادشاہی مسجد کے سامنے ایک مزار میں کہیں گم ہو رہا تھا۔ درمیان کی ساری رکاوٹیں ختم تھیں۔ وہ روشنی اسی مزار سے پھوٹ رہی تھی۔ قائداعظم کی تقریر جاری تھی کہ وہ ماضی کا وہ منظر تحلیل ہو گیا اور حال کے سارے منظر جاگ اٹھے۔ میرا

تجسس بیدار ہو گیا۔ میں پلٹا اور بادشاہی مسجد کی جانب چل پڑا۔ وہاں سڑک پر سے وہ منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ راستے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مڑھی کے سامنے نوتن کور اور ڈرائیور میرے انتظار میں تھے۔

''تم لوگ اندر جاؤ، میں تمہیں یہیں ملوں گا۔''

پتہ نہیں میرے لہجے میں کچھ تھا یا کیا تھا کہ نوتن اور نوجوان ڈرائیور نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ میں ان کی کوئی بات سنے بغیر آگے بڑھ گیا۔ مجھے وہ مزار دکھائی دینے لگا۔ میں اس جانب بڑھتا چلا گیا۔ وہ مزار شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا تھا۔ جنہیں میں قلندرِ لاہوری کہتا ہوں۔ میں اس مزار کے اندر چلا گیا۔ میں نے پیروں کی جانب کھڑے ہو کر پورے جذب سے فاتحہ پڑھی اور واپسی کے لیے دروازے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ ایک آواز گونجی

''ٹھہرو۔!''

میرے قدم جہاں تھے وہیں رُک گئے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، میرے سامنے حضرت اقبالؒ خود کھڑے میری طرف بہت غور رہے تھے۔ اگرچہ ایک لمحہ کے لئے میرے بدن میں سنسنی پھیلی تاہم مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ میں ایسے منظر دیکھ چکا تھا۔ میں باادب کھڑا ہو گیا۔ تبھی ان کی آواز گونجی

''تم آئے نہیں لائے گئے ہو۔ تاکہ تمہیں تمہاری امانت سونپ دی جائے۔''

''حضرت کیسی امانت؟'' میں نے حتی امکان اپنے لہجے کو بھی باادب رکھتے ہوئے پوچھا

''تمہارے اندر کا راز ہی تمہاری امانت ہے۔ یہی حقیقت ہے۔ میں تمہیں تم پر ہی آشکار کر رہا ہوں۔ تمہارا ہونا ہی سب سے بڑا راز ہے۔ تم اپنا راز خود آپ ہی ہو۔''

''میرا ہونا، میں خود راز ہوں، میں سمجھا نہیں؟'' میں نے ادب سے کہا تو وہ بولے

''دیکھو۔! یہ جو تم میرے سامنے ہو، یہ تم ہی ہو یا کوئی دوسرا کھڑا ہوا ہے؟ تم ہو یا تم نہیں ہو؟ دیکھ کون رہا ہے؟''

''جی میں ہی ہوں۔ میں ہی کھڑا ہوں۔ آپ کی بات سن رہا ہوں، آپ کو دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا

''تیرا خود میرے سامنے ہونا، ایک دوسری زندگی کی دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس زمین پر انسان کا ہونا خود اس کی دلیل ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔'' میں بے چارگی سے کہا

''کوئی بھی فیصلہ کہاں ہوتا ہے؟ آرزو کہاں پیدا ہوتی ہے، انسان ہی کے اندر نا۔ اس کے خود کے اندر۔ تو سب سے پہلے ''خود'' ہے۔ اپنے خود کے ہونے کا ادراک ہی تو میں چاہتا ہوں۔ سنو۔! منکر خدا نزد مُلّا کافر است...... منکر خود نزد من کافر تر است۔ اپنے خود ہونے کا احساس ہی انسان کو خودی کی طرف لے کر جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی تکمیل کو دیکھ پاتا ہے۔'' انہوں نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا

''خودی، یہ کیا ہے؟''میں نے پوچھا

''پہلے خود کا اقرار کر، اپنے آپ کو دیکھ، خود سے خودی تک کا سفر دراصل حقیقت کی طرف بڑھنے کا عمل ہے۔''خود'' ہوگا تو خودی آئے گی۔ خودی کو سمجھنے کے لئے پہلے خود کو سمجھنا ہوگا۔ تیرا اپنا ہونا، تجھے خدا نے اپنا ہونا دیا ہے، تُو اپنے ہونے کا اعتراف کر، اس شہکار کا منکر نہ بن۔ خود سے خودی کے درمیان جو بڑے بڑے بُت پڑے ہوئے ہیں جو تم نے خود ہی گھڑے ہوئے ہیں۔ انسان کا اصل مقصد ہے کہ وہ خود کو پہچانے۔ اپنے خود کی پہچان ہی دراصل باطل قوتوں کو ختم کردینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ باطل ہی ہے جس نے انسان کے گرد ایسے حجاب پیدا کردیئے ہوئے ہیں کہ انسان اندھا ہو چکا ہے۔ اور جو ان پردوں کو اٹھا دیتا ہے، حقیقت اس پر کھل جاتی ہے۔ آج دنیا کا ہر انسان نظریاتی کمزوری کا شکار ہو چکا ہے۔'' انہوں نے انتہائی جذب سے کہا

''یہ سفر کیسے طے ہوسکتا ہے۔''میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا تو وہ بولے

''خود، اسے خود کھڑا ہونا ہوگا۔ پھر کہیں جا کر اسے خودی کے ثمرات مل سکتے ہیں۔ خود سے خودی تک کے درمیان راستہ، منازل، اسرار و رموز طے کرانے والی ایک ہی قوت ہے اور وہ ہے عشق۔ کیونکہ جو ہر زندگی ہے عشق...... جو ہر عشق ہے خودی۔''

''میں کیسے خودی تک پہنچ سکتا ہوں؟''میں نے پوچھا

''آؤ، میرے سینے سے لگ جاؤ۔ تم پر راز آشکار ہو جائیں گے۔ تمہارا جو مسئلہ بھی ہوگا سوچتے جانا، حل تجھے ملتے چلے جائیں گے۔ خودی کہیں اور سے نہیں تمہارے اندر ہی پڑی ہے۔ یہ امانت میں نے تم تک پہنچانی ہی تھی کہ عطا ہوا ہے خش و خاشاک اشیاء مجھ کو...... کہ میرے شعلے میں ہے سرکشی و بے باکی۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ میں آگے بڑھا اور ان کی بانہوں میں سما گیا۔ مجھ پر وہی کیفیت طاری ہونے لگی، جو روہی والے بابا جی کے ساتھ ملنے سے ہوئی تھی۔ چند لمحوں بعد انہوں نے مجھے خود سے جدا کر دیا۔ پھر وہ میرے سامنے نہیں تھے، مگر میں اپنے وجود میں بہت زیادہ لطافت محسوس کر رہا تھا۔ جیسے میں بہت ہلکا ہو گیا ہوں۔ میں مزار سے باہر نکل آیا۔ روشن دن میں میرے اندر کیا کیا تبدیلی آ گئی تھی، یہ میں ہی جانتا تھا۔

میں پیدل ہی تیز قدموں سے شاہی قلعے کی جانب چل پڑا۔ وہ دونوں باہر سڑک پر کھڑے پریشانی میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی انہیں سکون ہو گیا۔ انہوں نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ہم کار میں بیٹھے تو کار چل دی۔ اس کا رُخ واہگہ کی طرف تھا۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد نوتن کور نے مجھے بتایا کہ وہ امرتسر اس لئے جا رہی تھی کہ بانیتا کور ادھر ہے لیکن اب وہاں کے حالات بدل گئے ہیں۔ وہ اب وہاں پر نہیں ہے۔ میرے پوچھنے پر اس نے یہی بتایا کہ ''را'' اس کے پیچھے لگ گئی ہے اور وہ کل سے غائب ہے۔ اب جا کر پتہ کرتی ہوں کہ تفصیل کیا ہے۔

ہم واہگہ پہنچ گئے۔ پاکستانی پرچم کے ساتھ ترنگا بھی لہرا رہا تھا۔ یہ محض دو پرچم نہیں دو نظریات لہرا رہے تھے۔ یہ انسانی سوچ ہی ہے جس نے درمیان میں گیٹ، تاریں اور راہداریاں بنائیں ہوئیں تھیں۔ انسانی سوچ کا عمل میں اظہار ہی حقیقت ہے۔ وہ اس طرف کے تمام مراحل سے

گزر کر گیٹ تک آن پہنچی۔ اس نے اپنے گلاسز اتارے۔ مجھے دیکھا اور ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ میں ڈرائیور کے ساتھ واپس آ گیا۔ میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ مجھے سوہنی کے گھر چھوڑ دے۔ وہاں موجود ملازمین میں نے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سردار احمد عرف دارا میرا اعتماد ساتھی تھا، جو بچپن ہی سے میرا وفادار تھا۔ قسمت نے اسے لڑکپن ہی میں نور نگر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ لاہور کے مختلف ہوٹلوں میں ویٹر رہا، پھر کئی کام کرتے کرتے وہ اب ہیرا بن گیا تھا۔ میں نے وہ گھر اس کے سپرد کر دیا تھا۔ لاہور میں میرے لئے بہترین پناہ گاہ تھی۔

☆......☆......☆

سندو، بانیتا، جسپال اور روینت چاروں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ موجودہ حالات کے بارے ایک ایک بات کر چکے تھے۔ تبھی سندو نے پوچھا

''یہ تو طے ہے کہ اب بھی ہماری جان کے درپے ہیں، اب یہ ہم پر ہے کہ سسک سسک کر مریں یا ایک دم مر جائیں۔''

''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے سندو، ایک دم سے حوصلہ چھوڑ گئے ہو۔ یار اگر ہم مریں گے بھی تو کم از کم بہت سوں کو لے کر مریں گے۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا

''سنو! میری بات سنو۔'' بانیتا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں متوجہ کرتے ہوئے کہا، پھر لحہ بھر رُک کر بولی ''مجھے یہ پوری طرح احساس ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ رات ہی سے میرے دماغ میں یہی سوال تھا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ یہ جان لو کہ ہم نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہیں ڈالا بلکہ ہم سانپوں کی بستی میں ہیں۔ کوئی بھی اور کہیں سے بھی سانپ ڈنگ مار سکتا ہے۔ کون کتنا زہر رکھتا ہے، ہمیں نہیں معلوم کیونکہ......''

''شاعری مت کر۔ سیدھی لائین پر آ۔'' روینت نے چڑتے ہوئے کہا

''او کے۔ تو سنو، یہ پنجاب ہے، یہاں خالصہ کا جتنا زور ہے، وہاں اتنی ہی منافقت ہے۔ ابھی ہمیں طاقت کی ضرورت ہے۔ ایک مرکز پر اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ساتھ بہت سارے لوگ ہیں۔ ہمیں طاقت حاصل کرنا ہے اس وقت ہمیں وہ جگہ چاہئے کہاں ہمیں کچھ وقت کے لئے سکون اور طاقت مل سکے۔ میرے خیال میں وہ جگہ ممبئی سے بہتر کوئی نہیں ہے۔'' بانیتا کور نے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا

''یار وہ جگہ تو......'' روینت نے کہنا چاہا تو جسپال بولا

''بانیتا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بندہ بھیڑ ہی میں گم ہوتا ہے۔''

''ممبئی ہی کیوں؟'' روینت کو وہ اپنی جگہ اٹک گئی۔

''وہ اس لئے کہ سندو ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ یہ جزیرے سے جمال کے ساتھ بھاگا، اس کے ساتھ گم ہوا، تو تب سے گم ہے۔ ان کے خیال میں یہ انہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ ممبئی پہنچنے کے بعد یہ ان سے بچھڑ گیا تھا۔ یہ اپنا بزنس وہاں سیٹ کرے۔ جیسا کہ چندی گڑھ میں کرتا تھا۔ اور جو، اب یہ چندی گڑھ میں نہیں کر سکتا۔ یہ تم لوگ جانتے ہو۔ وہ لوگ جو سامنے نہیں ہیں، سندو کے ساتھ وہاں جڑ جائیں گے۔ یہ دنوں اور ہفتوں میں اپنے آپ کو مضبوط کرے گا۔ ہم باقی تین بچتے ہیں، ہم چھپ سکتے ہیں اور آزاد حالت میں بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

''ڈن ہو گیا۔'' رونیت کور نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''اب سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے نکلنا ہوگا۔ اپنے سارے لوگوں سے کہو وہ ایک ایک کر کے یہاں سے نکل پڑیں اور ممبئی پہنچیں۔ سندو تم نکلو، اور ان سے پہلے ممبئی پہنچو۔ تمہیں وہاں ایک ڈاکٹر سے ملنا ہے۔ تم وہاں اس وقت سے ایڈمٹ ہو، جب تم جزیرے سے ممبئی آئے۔ تمہیں وہاں ایک ہمدرد انسان چھوڑ گیا تھا تم ایک سڑک پر زندگی اور موت کی کشمکش میں اسے ملے تھے اور وہی تمہارا علاج کروا رہا ہے۔ وہاں ساری کاغذی کاروائی ہو چکی ہے۔ وہاں تمہیں ہسپتال ہی میں رہنا ہے۔ وہ ہمدرد انسان تمہیں بزنس کروائے گا۔''

''بانیتا۔! تمہارے ہاتھ دکھانا۔'' جسپال نے شوخی سے کہا تو اس نے حیرت سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا

''وہ کیوں؟''

''دیکھوں تو سہی تمہارے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔''

اس پر سبھی زیرِ لب مسکرا دیئے۔ ماحول میں جو تناؤ تھا وہ ایک دم سے ختم ہو گیا۔ بانیتا کور کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہوا، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو پھر سر جھٹک کر بولی

''سندو، تم نکلو، ہماری ملاقات اب ممبئی ہی میں ہوگی۔'' یہ کہہ کر اس نے ڈاکٹر اور اس کے ہسپتال کا نام بتایا۔ سندو اٹھا اور اندر کی طرف چل دیا تو وہ بولی ''رونیت۔! اب ہمیں بھی نکلنا ہے۔''

کچھ دیر بعد وہ تینوں ایک سیاہ کار میں سب فارم ہاؤس سے نکلتے چلے گئے۔ ان کے حلیے کافی حد تک بدلے ہوئے تھے۔ تینوں نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ پہلی نگاہ میں انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔

انہوں نے جالندھر سے لدھیانہ تک کا سفر بہت احتیاط سے کیا۔ بڑی شاہراہ سے ہٹ کر چھوٹی سڑکوں سے نکل کر ہی لدھیانہ اسٹیشن پہنچے تھے۔ ایک طویل سفر ان کے سامنے تھا، انہوں نے اپنی کار وہیں چھوڑی اور ممبئی جانے کے لئے اسٹیشن پر آ گئے۔ وہیں سے انہوں نے ٹرین پکڑی، جسپال کے سامنے وہ دونوں بیٹھیں ہوئیں تھیں۔ وہ تینوں ہی اونگھ رہے تھے۔ وہ بڑی حد تک خود کو محفوظ سمجھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

ڈرائیور نے مجھے سوہنی کے گھر کے سامنے اتارا تو مجھے اتار کر اس نے ڈگی کھولی۔ اس میں سے ایک چھوٹا سوٹ کیس نکالا اور مجھے دیتے ہوئے بولا

''یہ آپ کے لئے ہے، اس میں کچھ سامان ہے۔''

میں نے وہ سوٹ کیس لیا اور اسے جانے کے لئے کہہ دیا۔

وہ جا چکا گیا تو میں نے بیل دی۔ گیٹ کے ساتھ والا چھوٹا دروازہ کھلا تو میرے سامنے چھاکا تھا۔ وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا اور پھر ایک دم سے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا۔ مجھے لگا کہ جیسے وہ رُو رہا ہے۔ میں نے جلدی سے اُسے الگ کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے

پریشان ہوتے ہوئے پوچھا

''چھاکے خیر تو ہے نا؟''

''خیر ہی یار، بس تیرے آنے کی خوشی میں یہ آنسو ہیں۔ تو ملتا ہے تب آنسو، بچھڑتا ہے تب بھی آنسو، یار وہ ہمارے خوشی بھرے عام سے دن لوٹ کر واپس کیوں نہیں آجاتے۔'' اس نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا تو میں نے سکون کا ایک لمبا سانس لیا اور کہا

''جن لوگوں کے لئے کوئی اعلیٰ مقصد چن لیا جاتا ہے نا، سکون ان کے لئے موت بن جاتی ہے۔''

''یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''تو نہیں سمجھے گا، چل اندر چلیں، اماں آئی ہیں؟'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا

''ہاں، انہیں میں ہی لے کر آیا ہوں لیکن سوہنی نہیں آئی۔ اس نے کہا تھا کہ میں خود بات کرلوں گی۔'' چھاکے نے کہا اور میرے ساتھ قدم بڑھا دیئے۔

ڈرائنگ روم میں اماں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے سفید براق لباس پہنا ہوا تھا اور ہاتھ میں سیاہ تسبیح تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھیں اور مجھے سینے سے لگا لیا۔ نجانے کتنی دیر تک میں ماتا کو محسوس کرتا رہا۔ اماں نے مجھے خود سے الگ کیا اور میرا ماتھا چومنے کے بعد بولیں

''میرے رب کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تیری صورت دکھائی۔ آ بیٹھ میرے پاس۔'' وہ صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔ چھاکا اندر کی طرف چلا گیا اور میں نے اپنا سر اماں کی گود میں رکھتے ہوئے قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں ''کیسا ہے تو؟''

''اماں۔! وہ بچے کیسے ہوتے ہیں جو اپنی سے بچھڑ جاتے ہیں۔ ماں سے بچھڑنا فطرت کی منشاء تو ہے لیکن بچھڑنے کے بعد وہ کہاں جاتا ہے؟ مجھے لگتا ہے میں ٹھیک مقام تک جا پہنچا ہوں۔'' میں نے سکون سے کہا

''تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ چند دن پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا میرے بچے۔ میں نے دیکھا تو ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے، تیرے ارد گرد سبزہ ہی سبزہ ہے۔ لیکن تیرے سامنے جو وادی ہے، اس پر چیلیں، کوے اور نجانے کون کون سی فضائی مخلوق موجود ہے، اور زمینی جانور کتے، بھیڑیئے، چیتے، شیر نجانے کون کون سے درندے اس وادی پر حملہ آور ہیں۔ سب کی رالیں ٹپک رہی ہیں۔ اور تجھے حکم ملتا ہے کہ تو ان سب کو بھگائے۔ تو کبھی آگے دیکھتا ہے اور کبھی پیچھے اور ابھی تذبذب میں کھڑا ہے۔ پھر مجھے ملتا ہے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔'' یہ کہ کر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوئیں، پھر بولیں، ''میں تب سے دعا مانگ رہی تھی کہ تو میرے پاس آجائے اور تو آ گیا۔''

''اماں تیرا خواب سچا ہے۔'' میں نے اماں کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''سن، میرے طرف سے تمہیں طرح کی اجازت ہے۔ اب میری گود سے نکل اور اپنے سچے مقصد کی جانب بڑھ۔ اپنے وطن کی سرحدوں پر ڈٹ جانے والے بھی تو ماؤں کے بیٹے ہوتے ہیں۔ مائیں اپنے بیٹے وطن پر قربان یہ کریں تو یہ وطن بھی نہ رہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اللہ پاک ان ماؤں کو چنتا ہے جن کے بیٹے اس عظیم مقصد کے چنے جاتے ہیں۔ وہ تو وردی میں ہوتے ہیں، اور بغیر وردی میں خاموشی سے شہادت پاک کرا مر ہو

جا۔ رَبّ کی مرضی کیا ہے اسے ہی قبول کر۔'' اماں نے انتہائی خوشگوار لہجے میں کہا تو میں نے اماں کے چہرے پر دیکھا، وہاں سکون تھا۔ اماں نے میرا سر اپنی گود سے اٹھایا اور بولیں، ''چل اب کچھ کھا پی لے۔''

''اماں۔! سوہنی کیوں نہیں آئی؟'' میں نے دھیمے سے پوچھا تو وہ بولیں

''میں تو تھی ان پڑھ، جیسے سمجھ میں آیا زندگی گذارتی رہی، انتقام کی آگ میں سلگتی رہی، وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ سمجھو، وہ اگر چراغ کی طرح خود جل رہی ہے نا تو اس نے کئی دوسرے چراغ بھی روشن کر دیئے ہیں۔'' اماں نے کہا تو میں سمجھ گیا۔ وجود اور روح کے درمیان جان موجود ہوتی ہے، تبھی زندگی چلتی ہے۔ اب روح کون ہے یا وجود کون، میں اس بارے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں اٹھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

سہ پہر تک باتیں چلتی رہیں۔ نور نگر کے بارے میں ہر ایک کے بارے میں تائی، سارا اور اس کے بیٹے کے بارے میں۔ وہاں کی سیکورٹی کے بارے میں چھاکے نے بتایا تو میں مطمئن ہو گیا۔ میں نے اپنے بارے بتایا۔ سہ پہر کے بعد اماں نور نگر جانے کو تیار ہو گئیں تو میں نے حیرت سے پوچھا

''اماں اتنی جلدی کیوں؟''

''بیٹا، وہاں میری زیادہ ضرورت ہے۔ میری ممتا سے زیادہ، تجھے پیغام دینا ضروری تھا۔ میں نے تجھے رَبّ کے حوالے کیا ہے، اب وہی تیرا رکھوالا ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے میرا ماتھا چوما اور جانے کے لئے بڑھ گئیں۔ میں پورچ تک ان کے ساتھ گیا۔ وہ کار میں بیٹھیں اور چل دیں۔ ایک بار تو میرا دل عجیب سا ہوا، پھر مجھے اطمینان سا آتا چلا گیا۔

میں واپس آکر ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہی تھا کہ گیت کی کال آ گئی۔

''تم کدھر ہو؟''

''میں لاہور میں ہوں۔'' میں نے جواب دیا

''یہاں بات بہت آگے تک بڑھ گئی ہوئی ہے۔ سیٹھ نیلا اور اس کے پس پردہ باس ایک طرف ہیں اور اس کے مخالفین ایک طرف کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔'' اس نے پر جوش لہجے میں کہا

''مطلب وہی کچھ جو تم لوگ چاہ رہے تھے؟'' میں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا

''اس سے بھی آگے، تمام تر ڈیٹا حکومتی اداروں اور سیٹھ نیلا کے مخالفین کو دے دیں ہیں۔ اب بس چھاپے ہی پڑنے ہیں لیکن اس سے ایک بہت ہی اہم بات سامنے آئی ہے۔'' اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے بتایا

''وہ کیا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا

''سیٹھ نیلا کا جو پس پردہ باس ہے، وہ اس وقت دوبئی میں ہے۔ اس کا صرف یہی بزنس نہیں ہے۔ وہ اسلحہ اور منشیات کے دھندے میں بھی ملوث ہے۔ کراچی کے کچھ علاقے اس نے اپنی سلطنت بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن۔! جو بات ہمیں معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ چند غیر ملکی ایجنسیوں کے لوگ موجود ہیں، جنہیں یہ یہاں کے مقامی لوگوں کے ذریعے تحفظ دے رہا ہے۔'' اس نے بتایا

''ظاہر ہے وہ لوگ جرائم پیشہ لوگ ہوں گے۔ خیر، یہ بتاؤ یہ بات کہاں سے اور کیسے معلوم ہوئی؟'' میں نے پوچھا تو وہ تیزی سے بولی

''فہیم کے جدید آلات بہت کار آمد ہیں۔ وہ اس باس کی اور مخالفین کی باتیں مسلسل سن رہا ہے۔ مخالفین نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر وہ باس کوئی نقصان کرے گا تو پھر اس کے لوگ بھی غیر ملکیوں ایجنٹوں کو اٹھالیں گے۔''

''یہ معلوم ہوا کہ وہ ایجنٹ کون ہیں اور وہ کیا کاروائی کر رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا

''نہیں، ابھی یہ پتہ نہیں چلا۔'' گیت نے بتایا

''تو پھر تم لوگوں نے کسی ایجنٹ کو اٹھایا ہے ابھی تک؟'' میں تیزی سے پوچھا

''تمہیں ہی بتانا تھا، ہمارا تو ارادہ ہے۔'' اس نے سوالیہ انداز میں کہا

''ہاں دیکھو تو سہی وہ کون لوگ ہیں۔'' میں نے کہا

''ابھی فہیم اور مہوش لاہور پہنچ رہے ہیں۔ باقی باتیں وہ بتائیں گے۔'' اس نے کہا پھر الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کر دیا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ پہنچ گئے۔ انہیں وہی ڈرائیور چھوڑ کے گیا تھا جو مجھے یہاں لایا تھا۔ وہ آتے ہی ایک کمرے میں گھس گئے۔ بظاہر وہ ایک ایسے لڑکے کا کمرہ تھا جسے کمپیوٹر کا جنون ہوتا ہے۔ اس دوران فہیم نے مجھے سمجھا دیا کہ کراچی میں ہونے والی کاروائی میں ہم یہاں بیٹھ کر بھی آڈیو اور وڈیو آلات کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ جب تک دارا چائے بنا کر لایا۔ انہوں نے اس کمرے کو کنٹرول روم کی صورت دے دی۔ ہم وہیں چائے پیتے ہوئے باقی لوگوں کے رابطے میں آ گئے۔ سامنے اسکرین پر زویا، گیت، سلمان، جنید اور اکبر علی دکھائی دے رہے تھے۔ تبھی اکبر نے کہا

''صورت حال بڑی خطرناک ہو گئی ہے۔ سیٹھ ٹیلا کو اپنا کام ختم ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اس کی اپنے مخالفین کو دھمکیاں بڑھ گئیں ہیں۔''

''یہ دھمکیاں ہی دیں گے یا کچھ کریں گے بھی؟'' میں نے پوچھا

''اصل میں ایک تیسری قوت بھی ان میں آ گئی ہے۔ جو دونوں کے معاملات حل کروانے کی کوشش میں ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ خود ہی ان میں جنگ کروا دیں اور وہ تیسری قوت ہم خود ہی ہیں۔'' اکبر علی نے سنجیدگی سے کہا

''تو پھر دیر کس بات کی ہے؟''

''بس یہی کہ پہلا وار کس طرف کیا جائے۔ ایک طرف ایک ایجنٹ ہماری نگاہ میں آ گیا ہے تو دوسری طرف شاہ فیصل کالونی میں ایک اڈا، جہاں سے اسلحہ کی ڈلیوری ہو رہی ہے۔''

''ایجنٹ اٹھاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ اٹھتا ہوا بولا

''ڈن ہو گیا۔''

زویا، سلمان، جنید بھی اس کے ساتھ اٹھ گئے۔ گیت وہیں رہ گئی۔ زویا اور سلمان ایک کار میں ہو گئے اور اکبر کے ساتھ جنید بیٹھ گیا۔ وہ کاروں میں نکل پڑے۔ اسکرین پر چار منظر دکھائی دینے لگے۔ ان تینوں کے ساتھ ہم بھی وہیں تھے۔

سورج مغرب میں چھپ چکا تھا۔شہر کی روشنیاں جل اٹھیں تھیں۔وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے گزری روڈ پر آ گئے۔ان کا رخ ڈی ایچ اے سیون کی طرف تھا۔کچھ دیر ہی میں وہاں پہنچ گئے۔ایک کار اس کے گھر کے دائیں جانب، دوسری بائیں جانب کھڑی ہوگئی۔تب گیت تیزی سے کمپیوٹر کے ساتھ منسلک سیل فون پر اسی ایجنٹ کے نمبر پر رابطہ کرنے لگی تھی، جسے اغوا کرنے کے لئے وہ جا رہے تھے۔اس کمپیوٹر میں ایسا سوفٹ ویئر تھا، جس سے کال کرنے والا اپنا نمبر دینے کی بجائے کوئی بھی نمبر دے سکتا تھا۔کال سننے والے کو اپنے سیل فون اسکرین پر وہی نمبر دکھائی دے گا، جو کال کرنے والا دینا چاہتا تھا۔اس لئے یہی سمجھا جانا تھا کہ کال اسی سیل فون سے آئی ہے۔وہ آنکھیں بند کر کے اس پر اعتماد کر سکتا تھا۔

''میں دوبئی میں موجود باس والا نمبر دے کر کال کر رہی ہوں۔غور سے سننا سب، بات کیا ہوتی ہے۔''

سب خاموش ہوگئے۔بیل جانے لگی۔چند لمحے بعد دوسری طرف سے ہیلو کہا گیا۔گیت نے کسی تمہید کے بغیر انتہائی سنسنی خیز انداز سے انگریزی میں کہا

''سنو۔!تمہاری جان کا خطرہ ہے۔کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر فوراً نکلو۔''

''مگر کہاں، مجھے کون مارنا چاہتا ہے اور تم کون ہو؟'' دوسری طرف سے جواب آیا

''وقت ضائع کرنا ہے تو ٹھیک، مری بات سننی ہے تو سن لو۔'' گیت کا لہجہ تحکمانہ تھا

''اوکے۔''

''باہر نکلو، میں نے تمہاری سیکورٹی کے لئے کچھ بندے بھیجے ہیں۔یہاں سے ایسے نکلنا کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔کیونکہ پتہ چلا ہے کہ تمہاری سیکورٹی سے کچھ بندے دشمن کے ساتھ ہیں۔صرف ان تک پہنچ جاؤ، باقی وہ سنبھال لیں گے۔'' گیت نے سمجھاتے ہوئے کہا لیکن اس کا لہجہ وہ حکم دینے والا ہی تھا۔

''کیا تم میری باس سے بات کروا سکتی ہو۔'' اس نے بے اعتماد ہوتے ہوئے کہا

''وہ بزی ہیں، انتظار کرو۔اتنی دیر میں اگر تم مر گئے تو تمہارے اوپر والوں کو جواب دے دیا جائے گا۔'' گیت نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اسے پوری اُمید تھی کہ وہ کال بیک کرے گا۔نعیم نے اس کا نمبر ہیک کر لیا تھا۔اس نے جیسے ہی کال ملائی، وہ سیدھے گیت کے سیل فون پر گئی۔

''بولو۔اب کیا ہے۔سمجھ میں نہیں آئی میری کوئی بات؟'' وہ یوں ترش لہجے میں بولی جیسے ابھی کھا جائے گی۔

''نہیں نہیں، میرا مطلب تم نے یہ بتایا ہی نہیں کہ مجھے کن کے ساتھ جانا ہوگا۔''

''نہیں تمہیں اعتماد نہیں اس لئے تم اپنی مرضی کرو۔یہاں تک کہ دشمن تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کر دیں کیونکہ وہ اس وقت تمہارے ارد گرد ہیں۔صرف حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔تم کیسے ایجنٹ ہو، شہر میں ہونے والی اتنی بڑی واردات کے بارے نہیں جانتے ہو۔ان کا اگلا قدم ہمارے دوست مارنا ہے۔اس وقت ایمر جنسی ہے اور تمہیں سمجھ نہیں آ رہی۔گٹ لاسٹ اور یہیں بیٹھ کر مرو۔''

''نہیں نہیں بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔'' اس نے تیزی سے کہا

''اوکے۔کال سنتے ہوئے اسی طرح باہر نکلو۔تم واک کے لئے نکلے ہو، یہی تاثر دینا۔وہی دو گارڈ اپنے ساتھ لو جو روزانہ جاتے ہیں۔کسی کو شک مت ہونے دینا۔اپنا پسٹل لے کر نکلو، میں گائیڈ کرتی ہوں۔''

''اوکے میں نکل رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔کچھ دیر بعد اس نے سیکورٹی والوں کو آواز دی۔انہیں ساتھ لیا اور باہر کی جانب چل دیئے۔''میں گیٹ سے باہر آ گیا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی اسکرین پر جنید اور سلمان نے اشارے سے سمجھا دیا کہ وہ باہر نکل آیا ہے۔وہ زویا اور سلمان کی جانب چل پڑا تھا۔جو دائیں جانب کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''اوکے، سو قدم پر جا کر ان سے پیچھے ہو جاؤ، جیسے ہی یہ دونوں گارڈ ختم ہوں، تم سامنے کھڑی کار میں جا کر بیٹھ جاؤ، ہری اپ۔''

سو قدم ہوتے ہی یک بارگی دو فائر نکلے، اس کے ساتھ ہی دو چیخیں بلند ہوئیں۔وہ ایجنٹ سیدھا زویا اور سلمان والی کار میں پچھلی نشست پر جا بیٹھا۔وہ اسکرین پر دکھائی دینے لگا تھا۔مجھے وہ شکل ہی سے بھارتی لگا تھا۔اس کا فون چل رہا تھا جو اس نے کان سے لگایا ہوا تھا۔

''ہری اپ جنٹل مین۔'' زویا بولی اور اس کے ساتھ ہی کار چل دی۔ذرا دور جانے کے بعد گیت نے کہا

''دیکھو کہیں تعاقب تو نہیں ہو رہا؟''

''ایک سیاہ اکارڈ کار آ رہی ہے۔'' اس نے کہا

''ڈونٹ وری، یہ ہماری لوگ ہیں۔یہ لوگ مجھے بتا دیں گے۔وش یو گڈ لک۔'' جیسے ہی اس نے کہا فون بند ہو گیا۔اس نے فون کان سے ہٹا کر سلمان اور زویا کو دیکھا۔کسی نے کوئی بات نہیں کی۔وہ کچھ دیر ادھر ادھر گھوم کر سیدھے واپس گھر آ گئے۔انہوں نے پورچ میں کاریں کھڑیں کیں اسے یوں لیا جیسے اس کی پوری حفاظت کر رہے ہوں۔وہ ایک کمرے کی جانب بڑھ گئے اور اسے صوفے پر بٹھا دیا۔اس دوران اکبر نے اس کا پسٹل نکال لیا تھا۔سلمان اس کے پاس گیا اور اس نے بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا

''کچھ چاہئے؟''

''پلیز تھوڑی سے وہسکی۔'' اس نے تیزی سے کہا

''اوکے۔'' سلمان نے کہا اور باہر چلا گیا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔وہ بہت مضطرب تھا۔اس نے جلدی سے کال ملائی تو گیت کی آواز ابھری

''یہ بھارت کے نمبر ملا رہا ہے، بات کروا دوں یا ڈراپ کر دوں؟''

''بات کرواؤ، تا کہ اسے پتہ چلے کہ یہ ٹریپ ہو چکا ہے پھر اس نمبر کی ہر کال سننا۔'' اکبر نے تیزی سے کہا

''نہیں، مجھے ذرا سا وقت دیں۔نمبر تو آ ہی گیا ہے، پہلے میں......'' سلمان نے تیزی سے کہا شاید وہ اپنے انداز سے اس ایجنٹ کو قابو کرنا چاہ رہا تھا۔

''اسے بات کرنے دو، دیکھو تو سہی وہ کس سے بات کر رہا ہے۔ پھر اسے دیکھ لینا۔'' میں نے کہا تو بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ چند لمحے بعد اس کی کال مل گئی۔ اس نے تیزی سے کہا

''سر۔! یہ کیا سچویشن ہے۔'' اس نے پوچھا

''کیسی سچویشن، بات کیا ہے؟'' دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔ تب اس نے انتہائی اختصار سے روداد سنا دی تو دوسری طرف سے کہا گیا''ایسی کوئی صورت حال نہیں ہے، تم ٹریپ ہو چکے ہو۔ فوراً یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔''

''اوہ۔!'' اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ فون بند ہو گیا۔

سلمان نے وہ سب سنا اور اٹھ گیا۔ اس نے ایک الماری سے بوتل نکالی، گلاس لیا اور زویا کو برف لانے کا کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس نے بوتل میز پر رکھی اور گلاس اسے تھما دیا۔ ایجنٹ نے جلدی سے گلاس لیا اور بوتل کھول کر اس میں سے شراب انڈیلی۔ اتنے میں زویا برف لے کر پہنچ گئی۔ اس نے انتظار بھی نہ کیا اور شراب حلق میں انڈیل لی۔ زویا ساتھ میں بیٹھ گئی۔

''تم نے جس نمبر پر فون کیا ہے اب وہاں فون مت کرو۔ اب اس نمبر سے تمہاری کال کوئی نہیں سنے گا۔'' سلمان نے اس کا سیل فون پکڑتے ہوئے سکون سے کہا

''کیوں؟'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا

''تمہیں درست بتایا گیا ہے کہ تم ٹریپ ہو چکے ہو۔ دراصل ہم خون خرابہ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی تشدد کے قائل ہیں۔ ہم چاہیں گے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو۔'' سلمان اسے یوں کہہ رہا تھا جیسے وہ اس کا بہت اچھا دوست ہو۔

''کون لوگ ہو تم؟'' اس نے سرسراتے ہوئے پوچھا

''فضول بکواس نہیں کرو۔ ہم نے کوئی تمہارا نام پوچھا ہے، جو تم ہمارے بارے میں پوچھ رہے ہو۔'' سلمان نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا

''کیا چاہتے ہو تم لوگ؟'' اس نے پر اعتماد انداز میں کہا تو سلمان نے خوش ہو کر کہا

''ہاں یہ ہوئی نا بات۔'' اس دوران اس نے گلاس میں شراب ڈالی اور گلاس اس کے آگے میز پر رکھتے ہوئے کہا،''دیکھو۔! ہم سے تعاون کرو گے تو کچھ نہیں کہیں گے، بلکہ مہمان نوازی کریں گے۔ اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں، تم وہ سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔''

''دھمکیاں مت دو، کام کی بات کرو۔'' اس نے شراب کا گلاس اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا

''کیا ٹاسک دیا گیا ہے تمہیں یہاں؟'' سلمان نے کہا تو سامنے بیٹھے ایجنٹ نے اچانک گلاس سلمان کے منہ پر دے مارا۔ وہ پوری طرح تیار بیٹھا ہوا تھا، ہلکی سی جھکائی دے گیا۔ گلاس فرش سے ٹکرا کر چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ تب تک ایجنٹ نے سلمان پر چھلانگ لگا دی تھی۔ جب تک ایجنٹ زمین پر گرتا، تب تک زویا بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے فرش پر گرنے سے پہلے ایجنٹ کے منہ پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ ذرا سا اُچھلا اور فرش پر آ رہا۔ زویا نے اس کی گردن پر اپنی ہیل ماری تو وہ وہیں سُن ہو کر لیٹ گیا۔ سلمان نے آگے بڑھ کر اسے کالر سے پکڑا اور اسے اُٹھایا۔ اس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا۔

''اے لڑکی تو نے بہت زور سے مارا، بھلا کوئی ایسے مارتا ہے، دیکھو، اس طرح مارتے ہیں۔'' اس نے کالر والا ہاتھ اوپر کیا اور پھر پتلون کو پکڑا اور زور سے دیوار میں دے مارا۔ اس کی چیخ بلند ہوئی پھر بے جان سا ہو کر فرش پر گر گیا۔ سلمان نے بڑھ کر میز سے شراب کی بوتل اٹھائی، اور اس کے دونوں پیروں پر انڈیل دی۔ پھر ماچس کی تیلی جلانے کے لئے رگڑی ہی تھی کہ وہ خوف سے چیخنے لگا

''نہیں، مجھے مت مارو۔''

''نہیں صرف پیر جلائیں گے۔ شراب کا یہ مزہ بھی تو چکھو، دیکھو کیسے جلاتی ہے۔'' سلمان نے سرد لہجے میں یوں کہا جیسے بہت غصے میں ہو۔

''میں نے غلطی کی۔ میں مانتا ہوں۔'' وہ رو دینے والے لہجے میں بولا تو سلمان نے کہا

''ہم نے تو کہا تھا کہ تعاون کرو۔''

''بولو کیا پوچھنا ہے؟'' اس نے کراہتے ہوئے کہا

''کیا ٹاسک ہے تمہارا؟'' سلمان نے دہرایا

''اِدھر اسلحہ آتا ہے، کہاں سے آتا ہے مجھے نہیں معلوم، میرا کام صرف یہ ہے کہ اسے بلوچستان اور سندھ کے علاقے تک پہنچانا ہوتا ہے۔ بہت سارے مقامی لوگ میرے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔'' اس کا لہجہ تک درد بھرا تھا۔ سلمان چند لمحے خامشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر دھیمے سے پوچھا

''یہ کیسے ہوتا ہے؟''

''نوٹ، سب کچھ نوٹ کرتا ہے، یہاں ہر بندہ بکاؤ ہے، بس ریٹ اس کے مطابق لگانا پڑتا ہے۔'' وہ کراہتے ہوئے جوش میں یوں بولا جیسے وہ گالی دے رہا ہو۔ تبھی میں نے کہا

''سلمان۔ اِنی الحال اِسے باندھو اور یہیں پڑا رہنے دو۔ بعد میں دیکھتے ہیں۔''

اس نے ویسے ہی کیا اور دو چار منٹ میں اسے باندھ کر وہیں ایک کونے میں ڈال دیا۔ وہ ہولے ہولے کانپتے ہوئے کراہ رہا تھا، وہ دونوں اُسے وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ واپس کنٹرول روم میں آ کر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا

''ابھی اس سے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔''

''جلدی کس بات کی ہے۔ رات بھر ہے نا تمہارے پاس، سیٹھ نیلا اور اس کے مخالف، دونوں طرف کی بات سنو، وہ کیا کہتے ہیں، اسی کے مطابق اس سے پوچھنا، اور پھر صبح ہونے سے پہلے......'' میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''لیکن اس سے یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلحہ کیسے آتا جاتا ہے، کون لوگ ہیں اس میں؟'' زویا نے تیزی سے کہا تو میں سکون سے بولا

''اسے اس وقت نہیں روکا جا سکتا، جب تک بھیجنے والے خریدنے والے موجود ہیں۔ رسد تبھی آتی ہے جب طلب موجود ہو۔ ہمیں طلب ختم کرنی ہے۔''

''او کے۔'' اس نے یوں کہا جیسے میری بات سمجھ گئی ہو۔ اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ انہیں ابھی بہت کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔

''تم لوگ کھانا وانا کھاؤ۔ پھر صبح تک کوئی آؤٹ پٹ نکلنا چاہئے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیئے۔ ہم وہاں سے اٹھ کر باہر ڈرائینگ روم میں آ گئے۔ جہاں دارے نے کھانا لگا دیا تھا۔

ہم کھانا کھا چکے تو مہوش اور فہیم اسی کمرے میں چلے گئے اور میں ہوا خوری کے لئے چھت پر آ گیا۔ مجھے سوہنی بہت شدت سے یاد آ رہی تھی۔ اس گھر میں اس کا ہونا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی کسی کونے سے نکلے گی اور میرے سامنے آ کھڑی ہوگی۔ یہ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے رابطہ ضرور کرے گی۔ میں اس کی یادوں میں کھویا ہوا، چھت پر ٹہل رہا تھا کہ میرا فون بج اٹھا، یہ وہ فون تھا جو مجھے فہیم نے دیا تھا اور اس میں نمبر ٹریس نہ ہونے والی ٹیکنیک تھی۔ مجھے نمبر بھی دکھائی نہیں دیا تھا تب میں فوراً سمجھ گیا کہ دوسری طرف بلاشبہ نوتن کور ہوگی۔ میں نے کال پک کر لی

''امرتسر پہنچ چکی ہوں اور اس وقت رتن دیپ سنگھ جی کے پاس ہوں۔''

''اتنی دیر بعد فون کیا؟'' میں نے پوچھا

''یہاں آتے ہی افتاد پڑ گئی۔ بانیتا بس ''را'' والوں کے ہتھے چڑھنے ہی والی تھی۔ یہ تو اسے رَبّ ہی بچا گیا۔ یہاں امرتسر میں تو کیا پورے پنجاب میں اسے تلاش کیا جا رہا ہے اسے، بہت بڑا کام ڈال دیا ہے اس نے۔''

''کسی چھوٹے کام کی اس سے اُمید بھی نہیں ہے۔ لیکن اب وہ ہے کہاں؟'' میں نے پوچھا

''کوئی پتہ نہیں کہاں ہے۔ آخری بار جالندھر میں تھی۔ اب دیکھیں کہاں ہو سکتی ہے۔'' اس نے بتایا

''تم ممبئی کب جا رہی ہو؟'' میں نے پوچھا

''بس ابھی یہاں سے نکل کر اپنے گھر جاؤں گی، صبح سویرے میری فلائیٹ ہے یہاں سے۔ وہاں جا کر بات کروں گی، یہ رتن دیپ سنگھ جی سے بات کرو۔'' اس نے کہا اور فون اُسے دے دیا۔ وہ کچھ دیر مجھ سے باتیں کرتا رہا، پھر فون بند کر دیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں سوہنی کی یاد اس قدر تھی کہ کچھ دیر پہلے کی ہنگامہ آرائی بھی اس کی یاد کو محو نہ کر سکی۔ ایک کے بعد ایک خیال آتا چلا جا رہا تھا۔ میں سوہنی کے خیالوں میں تھا کہ فون میں تھرتھراہٹ ہوئی۔ وہ فہیم کی کال تھی۔

''ہاں بولو۔'' میں نے کہا

''ابھی کال ٹریس ہوئی ہے کہ گھاس منڈی میں جہاں اس جوا مافیا کے لوگوں کا گڑھ ہے۔ وہاں سے کچھ لوگ ہنگامہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ ان کا ٹارگٹ شاہ فیصل کالونی میں موجود ایک مارکیٹ ہے۔ جو شاید ان کے مخالفین کی ہے۔'' فہیم نے تیزی سے بتایا

''مخالفین کی طرف سے کوئی پیش رفت ہے؟'' میں نے پوچھا

''ان کی طرف سے ابھی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔'' اس نے بتایا

''یہ خبر ان تک پہنچا دو۔'' میں نے کہا تو گیت بولی

"میرے پاس ایک تجویز ہے۔اگر کچھ دوسرے لوگوں کے ذریعے گھاس منڈی کے اڈے پر ہی حملہ کروا دیا جائے۔"

"تمہارے پاس ایسے لوگ ہیں؟" میں نے پوچھا

"بالکل ہیں۔جس وقت یہ ہنگامہ ہو رہا ہو، اس وقت ادھر بھی......" اس نے بات جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی

"اوکے۔! تو پھر رات بھر میں دونوں طرف کو بلا کر رکھ دو۔کوشش یہ کی جائے کہ گھاس منڈی میں جوا اڈے کا سرغنہ ساجد پولیس کے علاوہ دوسری فورسسز پکڑ لیں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" گیت نے کہا اور پھر فون آف ہو گیا۔میرے اندر سنسنی پھیلنے لگی۔میں کچھ دیر چھت پر رہا لیکن بے چین ہو گیا۔یہاں سوہنی کی یادیں تھیں جو میری بے چینی میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔میں نیچے چلا گیا۔میری توقع کے مطابق مہوش اور فہیم کنٹرول روم میں تھے۔سامنے اسکرین روشن تھی۔وہ دونوں جب سے آئے تھے، اسی طرح مصروف تھے۔میں نے مہوش کی طرف دیکھا اس کا چہرہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

"مہوش۔! تم آرام کر لو، میں اور......"

"میں بالکل ایزی ہوں، فکر نہ کریں۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا

"جاؤ، تھوڑا سکون کر لو۔میں ہوں یہاں پر۔" میں نے اس سے کہا تو وہ اٹھ گئی۔وارے نے اس کے لئے کمرہ سیٹ کر دیا ہوا تھا۔

سب سے پہلے شاہ فیصل کالونی کی مارکیٹ میں کچھ نامعلوم لوگ چند کاروں پر آئے اور آتے ہی فائرنگ شروع کر دی۔مارکیٹ میں بھگدڑ مچ گئی۔وہ سیدھے اس مارکیٹ کی انتظامیہ والے دفتر کی جانب بڑھے۔لیکن جیسے ہی ہنگامہ شروع ہوا تھا وہ لوگ دفتر چھوڑ کر چھپ گئے کیونکہ وہ لوگ ان کے منتظر تھے۔انہوں نے ہنگامہ کرنے والے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا۔ان کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہونے لگا۔

اس دوران گھاس منڈی میں جوئے کے اڈے پر دھاوا بول دیا گیا۔وہاں پر جو عام لوگ موجود تھے۔انہیں ڈرا دھمکا کر بھگا دیا گیا۔وہاں پر ساجد نامی وہ سرغنہ بھی موجود تھا۔جوئے اڈے والوں نے فائرنگ کر کے مزاحمت کر دی تو معاملہ بڑھ گیا۔

ان دونوں ہنگاموں کی اطلاع پولیس کو معمول کے مطابق ہی ہوئی لیکن خفیہ فورسسز کی مطلع کر دیا گیا تھا۔جب یہ ایک ہی وقت میں دونوں ہنگامے شروع ہوئے وہ وہاں تک پہنچ چکے تھے۔دونوں طرف سے ہی بندے مرے اور زخمی بھی ہوئے۔لیکن کامیابی یہ ہوئی کہ ساجد نام کا وہ سرغنہ پکڑا گیا۔ٹی وی اسکرین پر یہ خبریں چل رہی تھیں۔فورسسز نے ساجد کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ایک طرف یہ ہنگامے چل رہے تھے تو دوسری طرف فون پر اطلاع دوبئی تک پہنچ گئی۔

مخالفین کا سارا زور اپنے ان لوگوں پر تھا جو حکومت میں تھے۔وہ سیٹھ نیلا کا سارا ریکارڈ لے کر وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔رات گئے یہ فیصلہ ہوا کہ چھاپہ مارا جائے۔

صبح ہونے تک تین کام ہوئے۔سیٹھ نیلا سمیت اس کے کارندوں کو پکڑ لیا گیا۔سی ڈیز، کمپیوٹر اور وہ ریکارڈ جو ہنڈی کے ذریعے سرمایہ باہر منتقل کیا جا رہا تھا، وہ سب قبضے میں لے لیا۔دوسرا ساجد نامی جوئے کا سرغنہ پولیس کی حراست سے نکل کے دوبئی فرار ہو گیا۔پولیس صاف مکر گئی کہ ایسا

بندہ انہوں نے پکڑا ہی نہیں تھا۔ تیسرا کام یہ ہوا کہ رات جو ایجنٹ پکڑا تھا، اسے زندگی سے آزاد کر کے زمزمہ پارک کے قریب پھینک دیا گیا۔ اس کے تمام نمبر حاصل کر لئے گئے تھے۔ دن نکلتے ہی اس کی لاش مل گئی۔ اس سے کراچی انڈر ورلڈ میں ہلچل مچ گئی۔ جس کا احساس ٹیلی فون کالز سے ہو گیا۔

☆......☆......☆

ابھی صبح کی روشنی پھیلی نہیں تھی جب ٹرین بوریولی اسٹیشن کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں پر اُن کے چند خاص لوگ موجود تھے، جنہیں زوردار سنگھ نے بھیجا ہوا تھا۔ انہوں نے ہر طرح کا جائزہ لے لیا ہوا تھا۔ وہ جگہ ان کے لئے محفوظ تھی۔ ٹرین رُکی تو انہوں نے کھڑکی سے دیکھا۔ ان کی پہچان کے مطابق کافی لوگ تھے۔ وہ بڑے سکون سے اُترے اور باہر کی جانب چل دیئے۔ ان تینوں کے لئے ٹیکسی موجود تھی، وہ اس میں بیٹھے اور چل دیئے۔ وہ ہری اوم نگر کا علاقہ تھا جہاں کارٹر روڈ پر کویتا اپارٹمنٹ کے سامنے ٹیکسی جا رکی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تیسری منزل پر گئے تو ایک اپارٹمنٹ ان کا منتظر تھا۔ جس کے سامنے والے اپارٹمنٹ میں رونیت کے سارے دوست موجود تھے۔ تقریباً تیس گھنٹے کا سفر کرنے کے بعد وہ کافی حد تک تھک چکے تھے۔ وہاں ان کے لئے ملازمین کے نام پر کچھ سیکورٹی گارڈ تھے۔ انہوں نے ایزی ہو کر کھانا کھایا۔ پھر چائے پیتے ہوئے سب اکٹھے تھے۔ تبھی بانیتا کور نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا

''یہاں ہم نے زیادہ دیر کے لئے نہیں رہنا لیکن جتنا بھی رہنا ہے، بالکل ایک عام سے شریف شہری کی طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ اس شہر کو خوابوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ خواب پورے کرو، انجوائے کرو لیکن اپنے کان اور آنکھیں کھول کر رکھو۔ زندگی بہت قیمتی ہے مگر ہمارا مقصد زیادہ قیمتی ہے، جس نے آئندہ آنے والی نسلوں کو زندگی دینی ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں، ہم اپنی زندگی تک دینے کو تیار ہیں۔ لیکن یہاں کون ڈیل کرے گا، سندو تو ابھی ہسپتال ہی میں ہوگا۔''

''جب تک سندو منظر عام پر نہیں آتا، تب تک رونیت کور سب کو ڈیل کرے گی۔ تم لوگ کل ہی سے مختلف کمپنیوں کو جوائن کرو گے اور ممبئی میں پھیل کر رہو گے۔ میں اور جسپال سنگھ تم سب کے ساتھ نہیں رہیں گے کیونکہ ہم ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتے یہ ہماری مجبوری ہے۔'' اس نے سنجیدگی ہی سے کہا اور اٹھ گئی تو سب بھی چلے گئے۔

وہ تینوں ایک کمرے میں آ گئے تو بانیتا بولی

''نوتن کور یہاں پہنچ چکی ہے اور اس نے ہمارے لئے سارا سیٹ اپ بنا لیا ہوا ہے۔ مجھے اور جسپال کو ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔ اور رونیت، جب تک یہ سب اپنے ٹھکانے تک نہیں پہنچ جاتے تجھے یہاں رہنا ہوگا۔''

''اوکے۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ دونوں کویتا اپارٹمنٹ سے جانے کے لئے نکل پڑے، ان کی منزل کیا تھی، یہ انہیں نوتن نے بتانا تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر ہونے کو تھی۔ مقامی میڈیا چیخ رہا تھا۔ مگر ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ پولیس فورس کے بارے میں مختلف باتیں گردش کرنے لگیں تھیں۔ کراچی جو کبھی امن کا گہوارہ تھا ان دنوں مافیا اسٹائل کے قتل اور اغوا برائے تاوان سے لے کر عسکریت پسندی تک، بم دھماکے اور فرقہ

وارانہ قتل، بوری بند لاشیں اور نو گو ایریاز اب شہر کی پہچان بن گئی تھی۔ بارود کے ڈھیر پر پڑے اس شہر میں جرائم کی سطح آخر کیوں بڑھ رہی ہے؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے، جس کا جواب ہر شہری کو سوچنا ہوگا۔ کراچی اور ممبئی میں جہاں کئی معاملات میں تضاد ہیں وہاں مماثلت بھی ہے۔ کہیں جرائم کے معاملے میں ان شہروں کی مماثلت تو نہیں؟ کئی سارے سوال تھے جو میرے ذہن میں آتے چلے جا رہے تھے، مگر سب کا جواب ایک ہی تھا۔ کسی بھی بیماری کی علامت کو ختم کرنے کے لئے اس کی بنیادی وجہ کو تلاش کر کے ہی اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ بیماری کیا ہے؟ صرف علاج سے گھبرا رہے ہیں۔ جرائم کو ختم کرنے کے لئے جرائم کی دنیا میں اترنا بہت ضروری تھا۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ایک خیال میرے ذہن میں سرائیت کر گیا۔ میں کچھ دیر اس پر سوچتا رہا، پھر میں نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا کہ چونکہ یہ ایک تجربہ ہوگا، اس کے بارے میں کسی کو نہ بتایا جائے، جب نتائج سامنے آئیں گے تو ہی اسے سب پر ظاہر کیا جائے۔ میں اسی وقت اٹھ گیا۔

کنٹرول روم میں مہوش اکیلی بیٹھی ہی گیت اور زویا سے گپ شپ کر رہی تھی۔ ان کے درمیان کوئی نیا سوفٹ ویئر زیر بحث تھا۔ میں نے خوشگوار لہجے میں کہا

''سوری، میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا، کہتے ہیں کہ جس مرد کی شامت آئی ہو وہ خواتین میں جا بیٹھتا ہے۔''

''اگر شوق ہے شامت کا تو وہ پورا کر دیتی ہیں۔'' گیت نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا

''نہیں مجھے کوئی شوق نہیں۔'' میں نے کہا لیکن ساتھ ہی سنجیدگی سے پوچھا

''زویا، یہ جو ہم نے کراچی میں سارا منظر بنا دیا ہے، کیا اس کا کوئی فائدہ ہے؟''

''سوائے اس کے کوئی فائدہ نہیں کہ دوبئی یا کسی دوسرے ملک میں بیٹھے ہوئے مداریوں کو اپنے ہونے کا احساس دلایا جائے۔'' گیت نے جواب دیا

''اور ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہونے والا، سوائے چند دن کام رُک جانے کے۔ وہ اپنے نئے گھوڑے بنالیں گے۔''

''کیا وہ مداری قسم کے لوگ تم لوگوں نے ٹریس کر لئے ہیں؟'' میں نے پوچھا

''نمبروں کی حد تک اور لوکیشن کے بارے میں ہمیں سو فیصد معلومات ہیں، اور دوبئی میں موجود اس بندے کرامت جونیجو کے بارے میں پوری معلومات ہیں، جو یہاں جوا مافیا، اور اسلحہ اور دوسرے کئی جرائم میں ملوث ہے۔'' زویا نے بتایا تو میں نے پوچھا

''اس کے کام کا طریقہ کار بھی؟''

''کافی حد تک، کیا یہ ضروری ہے؟'' اس نے پوچھا

''اگر یہ ہو جائے تو کچھ نیا کیا جائے؟'' میں نے کہا تو وہ سب آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ اس دوران جنید اور فہیم آ گئے۔ تھوڑی دیر بات سمجھتے رہنے کے بعد فہیم بولا

''ہم کوشش کرتے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں ایسا ممکن ہے، ہو جائے گا۔''

''تو کرو، یہ سلمان اور اکبر کدھر ہیں؟''میں نے پوچھا

''وہ کچھ کارگو کروانے گئے ہیں لاہور کے لئے۔آتے ہی ہوں گے۔''جنید نے بتایا

''میں رابطہ کر لیتا ہوں۔''میں نے کہا اور اپنے سیل فون پر ان سے رابطہ کرنے لگا۔وہ ٹرکوں والے اڈے پر موجود تھے۔میں نے ان کے واپس آ جانے تک انتظار کرنا مناسب سمجھا۔تین گھنٹوں کے بعد وہ اسکرین پر میرے سامنے تھے۔انہوں نے بتایا کہ سولہ کروڑ میں سے چودہ کروڑ لاہور کارگو کروا دیئے ہیں۔وہ پہنچا دیئے جائیں گے۔اس کے بعد وہ مجھ سے پوچھ لگے کہ بات کیا ہے؟

''کیا تم آج ہی دوبئی جا سکتے ہو؟''میں نے پوچھا

''کیوں نہیں، بس ٹکٹ خریدنا ہو گا۔میں ایسا بندوبست رکھتا ہوں۔''اس نے جواب دیا

''تو پھر آج ہی دوبئی کے لئے نکلو تمہارے ساتھ کوئی بھی جا سکتا ہے تو اسے لے جاؤ۔''

''کرنا کیا ہے؟''زویا نے سنجیدگی سے پوچھا

''کرامت جونیجو کا قتل، اور اسے یوں ٹھکانے بھی لگانا ہے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔''

''میں جاتی ہوں اس کے ساتھ، ہو جائے گا۔''زویا نے کہا تو سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

وہ دونوں دوبئی جانے کی تیاری میں لگ گئے، اور ان سب نے پوری توجہ اس پر لگا دی کہ کرامت جونیجو کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات مل جائیں۔دو گھنٹوں کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کرامت جونیجو دوبئی کے جنوب میں واقع ایک صحرائی علاقے الفقع میں جا رہا ہے۔جہاں کوئی فنکشن تھا۔

''میں فنکشن کے بارے میں جانتی ہوں۔یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ ہمیں وہاں مل جائے گا۔میرے خیال میں اس سے اچھا وقت کبھی نہیں مل پائے گا۔''زویا نے انتہائی پر جوش ہوتے ہوئے کہا

شام ہونے تک سلمان اور زویا دوبئی پہنچ گئے۔اس دوران۔وہ دونوں ہمارے رابطے میں تھے۔ان کی آواز ہی نہیں تصویر بھی ہمیں دکھائی دے رہی تھی۔اس وقت ان دونوں کے ساتھ بڑا جذباتی تعلق محسوس ہو رہا تھا۔سلمان کے دوبئی میں کچھ غیر پاکستانی دوست تھے۔ان میں دو لڑکیاں اور دو ہی لڑکے تھے۔وہ ایک اعلی ریستوران میں کھانا کھا چکے تھے، جب کرامت جونیجو بار دوبئی سے نکل کر اس صحرائی علاقے کی جانب چل پڑا۔اس کے ساتھ کتنا لاؤ لشکر تھا یا نہیں تھا اس بارے کوئی معلومات نہیں تھیں۔وہ بھی اسی وقت اس علاقے کی جانب چل نکلے۔انہوں نے پتہ کر لیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔یہ وہاں کی ثقافتی روایت ہے کہ بیچ صحرا میں رات کے وقت رقص اور مے کشی سے لطف اندوز ہوا جائے۔وقت اور حالات کے مطابق اس میں تبدیلیاں آتی چلی گئیں۔لوگ بدلے تو انداز بھی بدل گئے۔

وہ گاؤں بیچ صحرا میں تھا، جس سے دو کلو میٹر آگے وہ میلہ نما تقریب تھی۔دور قناتیں لگی ہوئیں تھیں، جس کے درمیان میں روشنی اتنی تھی کہ آسمان کی طرف اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔وہیں پر سیکورٹی کا پہلا حصار تھا۔ان کی اچھی طرح سے جامہ تلاشی لی گئی اور آگے جانے دیا گیا۔قناتوں

سے کوئی سو قدم پہلے پھر اسکیننگ کی گئی تو وہ اندر داخل ہو سکے۔ غیر ملکی اور لڑکیوں کا ساتھ ہونے کے باعث ان سے کوئی پوچھ تاچھ نہیں ہوئی تھی۔

اندر کا سماں ہی کچھ عجیب تھا۔عربی موسیقی کی دھن گونج رہی تھی۔عین درمیان میں سرخ قالین بچھے ہوئے تھے،جن پر ایک نیم برہنہ رقاصہ تھرک رہی تھی۔اس کا نیلے رنگ کا لباس چمک رہا تھا۔ایک طرف بے شمار برانڈ کی شراب کی بوتلیں سجی ہوئیں تھیں،جہاں سے لوگ پی رہے تھے۔ایک طرف مختلف انوع واقسام میں بنے گوشت کے کھانے تھے،لوگ ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے،کچھ پہلو میں لڑکیوں کو بٹھائے اپنی مستی میں گم تھے۔وہاں پر ہر طرح کی مستی کا پورا سامان میسر تھا۔سلمان اور زویا کو وہاں کرامت جونیجو کی تلاش تھی۔وہ بھی ایک قالین پر جا بیٹھے۔

''ایک کمی ہے یہاں۔مطلب ان کی مستیاں ایک خاص حد تک ہی جا سکتی ہے،اس سے آگے تو بس تشنہ کامی ہے۔'' سلمان کے ایک دوست نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا تو دوسرا دوست ہنستے ہوئے بولا

''جس تشنہ کامی کی تم بات کر رہے ہو،اس کا راستہ یہیں کہیں سے نکلتا ہے ۔یہاں سے کچھ فاصلے پر خیمے لگائے گئے ہوں گے،کیونکہ یہ اس فنکشن کا حصہ ہے۔جو جسے میسر ہوگا،وہی اپنے لئے مخصوص خیمے میں جا کر اپنی موج مستی کرے گا۔''

''یعنی پورے اہتمام ہیں۔'' ایک لڑکی نے کہا

''مگر ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے،ہمیں کسی وقت بھی چیک کیا جا سکتا ہے۔'' ایک دوست نے کہا

''لیکن یہ اس وقت ہوگا جب میزبان یہاں آئے گا اور وہ سب سے ملے گا۔'' دوسرے نے بتایا۔

''مصیبت یہ ہے کہ وہ بندہ بھی تو تلاش کرنا ہے۔'' سلمان نے کہا تو گیت کی آواز گونجی

''سلمان۔حلیہ ذہن نشین کرو،گول بھاری چہرہ،سندھی انداز کی خشخشی داڑھی کے ساتھ بھاری مونچھیں،کنجی آنکھیں،ناک پتلا اور ذرا سا خمیدہ،موٹی گردن اور دائیں گال پر زخم کا ہلکا سا نشان۔یہ تصویر اس کی بزنس کمپنی کی سائیٹ پر لگی ہوئی ہے۔''

''وہ رہا۔'' ایک دم سے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے زویا نے پرجوش لہجے میں کہا تو سلمان بولا

''اب اسے میں......''

''نہیں تم ٹھہرو،میں دیکھتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے زویا اٹھ گئی۔تبھی سلمان اور اس کے ساتھی الرٹ ہو گئے۔

زویا دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس جا پہنچی۔وہ اس وقت جام ہاتھ میں لئے پوری توجہ سے رقاصہ کے رقص میں کھویا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب جا بیٹھی اور حتی الامکان اپنے لہجے کو خواب ناک بناتے ہوئے بولی

''ہیلو،سر کرامت۔!کیسے ہیں آپ؟''

اس نے زویا کو عجیب سی اجنبیت کے ساتھ دیکھا اور پھر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا

''میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔''

''میں کب کہتی ہوں کہ آپ مجھے پہچانیں،ماضی کو یاد رکھنا بھی نہیں چاہئے۔میں تو ایک نئی ڈیل کے ساتھ یہاں آپ کے پاس آئی

ہوں۔'' زویا نے لہجے کو بارعب بناتے ہوئے کہا

''میں سمجھا نہیں، کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' اس نے پوچھا

''جب بات ہوگی تو ہی سمجھ میں آئے گی۔ یہاں اس ماحول میں ہو نہیں سکتی۔ میں کراچی کی تازہ صورت حال بارے بات کرنے آئی ہوں۔'' اس نے کہا تو کرامت نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''وہی جو میں اپنے باس کی طرف سے آپ کے لئے پیغام لے کر آئی ہوں۔ سیٹھ نیلا سمیت ساری ڈیل ہو جائے گی۔ باقی آپ کی مرضی۔'' زویا نے کہا تو اس نے چونک کر دیکھا اور اٹھ گئی۔ تبھی وہ جام رکھ کر اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کون ہو؟ اور یہ باتیں......''

''آپ تو بچوں والی باتیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ میں کرامت جونیجو سے بات کر رہی ہوں۔'' زویا کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''چل بات کرتے ہیں۔'' اس نے ایک طرف آنے کا اشارہ کیا تو زویا جان بوجھ کر باہر کی جانب جانے لگی۔ وہ دونوں خاموشی میں آگے بڑھتے گئے۔ قناتوں سے باہر آ جانے پر اس نے پوچھا، ''اب بتا، کیا کہتی ہو؟''

''آپ کے مخالفین یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ کراچی پر قابو پا لیں۔ گھاس منڈی سے لے کر جہاں تک آپ کا سکہ چلتا ہے۔ یہ ان کی ابتدا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ ڈیل کرو تو انہیں سمندر میں پھینک دیں گے۔'' زویا نے انتہائی اعتماد سے کہا

''ڈیل کون کرے گا؟'' اس نے پوچھا

''میرا باس، اگر آپ ابتدائی باتیں ڈن کر لیں تو۔'' زویا نے اسی بااعتماد لہجے میں کہا

''کہاں بات کرنی ہے؟'' اس نے پوچھا

''جہاں آپ چاہیں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا تو وہ اسے ان خیموں کی جانب لے کر چل دیا۔ پھر اچانک اسے خیال آیا وہ پلٹا اور اس طرف چل پڑا، جہاں ان کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ جیسے ہی ایک جدید فور وہیل کے پاس آیا، اس کے دو گارڈ فوراً سامنے آ گئے۔ کرامت نے اشارہ کیا تو انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں اندر جا بیٹھے۔ اس سے پہلے وہ کوئی بات شروع کرتے سلمان کے ساتھ ایک دوست وہاں وہیں پہنچ گئے۔ گارڈ اگرچہ الرٹ تھے مگر انہیں صرف یہی احساس تھا کہ اندر ان کا باس ایک لڑکی کے ساتھ ہے۔ ان کی پوری توجہ اندر کی طرف ہی تھی۔ جیسے ہی سلمان ان کے سر پر پہنچا، وہ مڑے تب تک دونوں ان پر آن پڑے۔ سلمان نے اسے کسی طرح ابھی نہیں لینے دیا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ دوسرے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ ریت پر پڑے تڑپ رہے تھے۔

''بولو، کیا ڈیل کرنی ہے؟'' کرامت جونیجو نے جیسے ہی کہا زویا اس پر ٹوٹ پڑی۔ وہ خاصا سخت جان تھا اور پہلے ہی سے محتاط تھا۔ اس کے وار سے بچ گیا۔ اس نے زویا کی گردن قابو میں کر لی اور اسے سیٹ پر لٹا دیا، ایسے میں دروازہ کھلا اور سلمان اندر آ گیا۔ اس نے کرامت کی گردن

پکڑی اور ایک زوردار جھٹکا دیا۔ وہ پورے بدن سے لرزا اور تڑپنے لگا۔ زویا نے اپنی گردن چھڑائی اور تیزی سے پیچھے ہٹی۔ اس کے دوست نے دروازے کھولے اور دونوں گارڈز کو گاڑی میں پھینک دیا۔ پھر دروازے بند کر کے واپس چل پڑا۔ سلمان نے چابی ٹٹولی تو کرامت کے پاس سے نکل آئی۔ اس نے فوراً وہیل موڑی اور چل دیا۔

وہ بستی میں جانے کی بجائے اس کے قریب سے آگے بڑھ گئے۔ اس کے دوست پیچھے پیچھے آتے ہوئے بستی سے سیدھے دوبئی کی جانب نکل پڑے۔ کرامت کی جیپ جاندار تھی۔ وہ صحرا کی جانب چل پڑے۔ کافی دور جا کر زویا نے اس کا سیل فون قابو میں کیا تو سلمان نے ان تینوں کو صحرا میں پھینکا اور واپسی کے لئے مڑ پڑا۔ زویا نے سیل فون سے سم کارڈ نکالا اور سیل فون باہر پھینک دیا۔

''ویل ڈن۔ اب یہ سم کارڈ اپنے سیل میں ڈال لو اور کسی محفوظ مقام پر چلے جاؤ۔'' میں نے کہا

''اوکے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

میرے سامنے میز پر کراچی میں موجود ان دو لوگوں کے نمبر تھے، جن سے کرامت جونیجو کا رابطہ تھا۔ یہی اس کے تمام تر پھیلاؤ کے ذمے دار تھے۔ میں نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا

''سب سنو۔! کیا میں کرامت جونیجو کی آواز میں بات کر سکتا ہوں۔''

''سو فیصد تو نہیں لیکن چلے گا، ایک سوفٹ ویئر ہے جس سے آواز کو اس کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔'' گیت نے کہا تو مہوش نے ہنستے ہوئے کہا

''یہاں تو بے سُرے ترین لوگ گلوکار بنے ہوئے ہیں، یہ تو بس آواز کو ذرا بھاری کرنا ہے، تو نے کون سا گانے گنوانے ہیں؟''

اس سمیت سبھی سمجھ گئے تھے کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ان دونوں سے وہ کیسے کام لیتا ہے اور اس وقت ان کے درمیان کیسی بات چل رہی تھی۔ کرامت کے بات کرنے کا انداز میں سمجھ ہی گیا تھا۔ ایک گھنٹے بعد زویا اور سلمان بار دوبئی میں اپنے دوستوں کے پاس جا پہنچے۔ اس کا صرف فون آن رکھنا ضروری تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے کراچی میں موجود اس کے ایک کارندے فصیح صدیقی کو فون کر دیا۔

''کیا صورت حال ہے؟'' میں نے پوچھا

''وہ کیا خاک ہوگی۔ پیسہ پکڑا گیا، مخالفین نے سیٹھ نیلا کو پکڑ لیا اور ابھی تک آپ نے کچھ کیا نہیں۔''

''دیکھو۔! میں بہت کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن ساری کوشش کس لئے غلط ہو رہی ہے معلوم ہے تجھے؟''

''نہیں تو، کیا مطلب؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''وہ لطیف شاہ یہ سارا کام اسی کا کیا دھرا ہے، وہ غدار ہو گیا ہے، گھاس منڈی پر حکومت کرنے کے لئے؟'' میں نے انتہائی غصے میں کہا

''ایسا کیا واقعی......'' اس نے انتہائی حیرت سے کہا

''یہ ساجد آیا ہے نا یہاں پر، اس نے ساری بات تفصیل سے بتائی، میں نے اس کی تصدیق کی ہے تو کنفرم ہو گیا۔'' میں نے غصے کو کم نہیں ہونے دیا

''یہ تو ہمیں بھی لے ڈوبے گا۔'' وہ تشویش سے بولا

''لے ڈوبے گا کیا، اس نے سارے نام دے دیئے ہیں، تھانے سے پتہ تو کرو، اوپر سے آرڈر آنے والے ہیں۔تم خود سوچو اتنی بڑی ڈکیتی، اندر کے بندے کے علاوہ کوئی دوسرا کر سکتا ہے۔سیٹھ نیلا کیسے پکڑا گیا، اس کے سارے خفیہ راز کس نے دیئے؟'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''تو پھر، اب کیا کرنا ہے؟''

''لطیف شاہ کا جو بھی ٹھکانہ ہے، اسے اُڑا دو۔اسے بھی ختم کر دو۔کوئی ثبوت نہ رہے۔اب اس کے بغیر چارہ نہیں۔یہ کام آج رات ہو جانا چاہئے، سورج نکلنے سے پہلے اس کا کام تمام کر کے میرے پاس یہاں دوبئی آ جاؤ'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا

''ہو گیا سمجھو۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو میں نے فون بند کر دیا۔چند لمحے بعد میں نے لطیف شاہ کا نمبر ملا لیا، یہی باتیں اس سے کر کے کہا کہ تجھے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔اس سے پہلے کہ وہ تمہیں ختم کرے، تم اسے نیست و نابود کر کے دوبئی آ جاؤ۔وہ تیار ہو گیا۔

کوئی دو گھنٹے گذرے ہوں گے کہ گھاس منڈی اور اس کے گردونواح میں شدید فائرنگ کی اطلاعات ملنے لگیں۔ٹی وی اسکرین پر خبریں دکھائی دینے لگیں تھیں۔لحہ بہ لحہ اس میں شدت آنے لگی۔ہنگامے بڑھتے گئے۔

☆......☆......☆

جسپال سنگھ اور بانیتا کور دونوں ویرولی کے پوش علاقے میں نو تعمیر بنگلے میں تھے۔ممبئی میں اُن کا پہلا ٹھکانہ وہی تھا۔وہ کچھ دیر نیند کے بعد ڈریس ہو چکے تھے اور باہر جانے کے لئے تیار تھے۔انہیں گوپال نند سے ملنا تھا۔اگر چہ وہ ہندو تھا، لیکن وہ شوشلسٹ ہونے پر زیادہ فخر محسوس کرتا تھا۔وہ انہی لوگوں میں سے ایک تھا، جنہوں نے ''را'' کی ٹاپ میٹنگ کی ویڈیو بانیتا کور تک پہنچا دی تھی۔اگر چہ وہ را سے تعلق نہیں رکھتا تھا لیکن اس کی رسائی بہت دور تک تھی۔بانیتا کور خود اس سے ملنا چاہتی تھی اور گوپال نند سے بھی کہا گیا تھا کہ وہ ان لوگوں سے مل لے۔اس کے پاس کوئی کام تھا، جسے وہ کر سکتے تھے۔اس نے انہیں ایک بار کا وقت دیا تھا۔وہ ایک ایسا بار تھا جو ممبئی میں جگہ جگہ کھل گئے تھے اور وہاں ناچ گانے اور شراب پینے کے علاوہ اور بہت کچھ ہوتا تھا۔وہ زیادہ تر ''بھائی لوگوں'' ہی کی نگرانی میں چل رہے تھے۔اس لئے ہر غیر قانونی کام وہاں ہو رہا تھا۔انہوں نے کوئی گاڑی لینے کی بجائے پیدل ہی نکلنا پسند کیا تھا، وہ اس بنگلے سے نکلے اور پیدل ہی آگے بڑھتے گئے۔کافی آگے جا کر انہیں ٹیکسی ملی تو وہ اس میں بیٹھ گئے۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ اس بار کے سامنے تھے۔وہ مین سڑک سے ہٹ کر ایک گلی میں تھا۔وہاں لوگوں کی رہائش کم اور اس طرح کے کلب اور بار کے علاوہ مختلف سٹور اور کھانے پینے کی دوکانیں تھیں۔ایک طرح سے وہ جگہ نائیٹ فوڈ اسٹریٹ کے جیسی تھی۔وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں کچھ دیر پھرتے رہے پھر گوپال نند سے رابطہ کیا۔وہ اسی بار کے اندر بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔وہ اندر گئے تو خاصا شور تھا۔وہاں کافی سارے جوڑے تھے۔اس کے علاوہ بھی خاصی خواتین دکھائی دے رہی تھیں۔انہوں نے محتاط انداز میں اسے تلاش کرنے کے لئے ادھر ادھر دیکھا، جلد ہی ان کے فون پر کال آ گئی۔وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔

میز پر آمنے سامنے بیٹھتے ہی اس نے کھانے پینے کا پوچھا اور پھر کولڈ ڈرنک منگوا لئے۔ جب تک کولڈ ڈرنک آئے انہوں نے اپنے درمیان اجنبیت کو ختم کر لیا تھا۔

''بات یہ ہے کہ یہاں کے اور امرتسر کے ماحول میں بڑا فرق ہے میں بھی یہ مانتا ہوں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے لیکن ماحول کوئی بھی ہو، اصل چیز حوصلہ ہے، جو کر جائے۔ معاف کرنا میں صرف دھرم کے لئے کام نہیں کرتا، بلکہ اپنے نظریے کے لئے کام کرتا ہوں۔ اور ہر کام کے لئے سرمایہ بھی تو چاہئے نا۔''

''ہمیں اس سے غرض نہیں کہ تم کیا کرتے ہو اور کیسے کرتے ہو۔ تمہارے پاس ہمارے لئے کیا آفر ہے؟'' بانیتا کور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا

''روکڑے کی آپ فکر نہیں کریں۔ وہ اتنا ملے گا کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے اور کام بہت سے ہیں، جیسا کام ہوگا ویسا روکڑا ہوگا۔''

''مثلاً؟'' بانیتا کور نے پوچھا

''مطلب، ان میں ایک کام یہ بھی ہے کہ ایک کمشنر لیول کے پولیس والے کو اڑانا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے استہزایہ انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا تو جسپال سنگھ نے ایک دم سے کہا

''ڈن ہو گیا۔ جو اور جیسے تم چاہتے ہو وہ ہو جائے گا اگلی بات کرو۔''

اس کے یوں کہنے پر گوپال نند نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا

''یہ کام ایسا نہیں ہے کہ تم بازار جاؤ اور کوئی برگر پیزا لے کر آ جاؤ۔ پولیس کمشنر ہے وہ۔''

''وہ لوہے کا بنا ہوا ہے یا اس کے لئے کوئی مخصوص گولی بنی ہوئی ہے؟'' جسپال نے سرد لہجے میں پوچھا

''تمہارا کیا خیال ہے یہ بندہ ہمیں کام دے گا۔'' اس نے بانیتا کور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا پھر جسپال کی طرف دیکھنے لگا۔

''تمہیں کام سے غرض ہے نا، بولو، باقی میں دیکھ لوں گی۔'' بانیتا کور نے بھی کہا تو ایک دم سے بے چین ہو گیا۔ پھر سنجیدگی سے بولا

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایسا کام ہے لیکن تم لوگوں کو شاید پتہ نہیں ہے کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ میرے پاس دوسرے کئی کام ہیں، مثلاً اغوا، کسی بزنس مین کا قتل، منشیات یا اسلحہ کی ڈلیوری۔ سوچ لو، ان میں جو تم لوگ کرنا چاہتے ہو تو کل شام میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''ڈن ہو گیا۔'' جسپال نے کہا وہ غور سے اسے دیکھنے لگا پھر اس نے جسپال سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

''مزید کچھ لیں گے؟''

گویا اس نے بات ختم ہو جانے کا اشارہ دے دیا تھا۔ وہ دونوں کوئی مزید بات کئے بنا وہاں سے اٹھ گئے۔ اس وقت وہ داخلی دروازے کی جانب جا رہے تھے۔ اچانک داخلی دروازہ دھڑ سے کھلا اور کئی سفید لباس والے اندر داخل ہوتے چلے گئے۔ وہ سبھی کالی پتلون، اور سفید ہاف سلیو شرٹوں میں تھے۔ ان میں تین لوگ آگے بڑھ گئے، دو ایک طرف چلے اور دو دوسری جانب، دو بندے دروازے میں کھڑے رہے۔ ان کے انداز

سے لگتا تھا کہ وہ پورا پلان کر کے آئے ہیں۔

''یہ چھاپہ ہے، جسپال۔'' بانیتا کور نے دھیمے سے لہجے میں کہا تو اس نے بھی ہولے سے کہا

''جو بھی ہو اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔''

''دروازے میں......'' بانیتا نے کہنا چاہا کہ اندر سے چند لڑکیاں چیختی ہوئی باہر آئیں۔ وہ انہیں یوں دھکے دے رہے تھے جیسے وہ کوئی جانور ہوں۔ وہ بے تحاشا گالیاں بک رہے تھے۔ وہ وہاں پر موجود لوگوں کے ساتھ یوں سلوک کر رہے تھے جیسے یہ بہت بڑے مجرم ہوں۔ میوزک بند ہو گیا تھا۔ ناچتے، تھرکتے ہوئے جوڑے ایک دم سے رُک گئے تھے۔ سفید لباس والوں نے انہیں بھی آگے لگا لیا۔ وہ انہیں ریوڑ کی مانند ہانکتے ہوئے باہر کی جانب لانے لگے تو ایک سفید لباس والے نے بانیتا کور کے کاندھے پر زور سے ہاتھ مارا اور بازو سے پکڑ کر آگے کی جانب دھکیلا۔ دوسرے نے جسپال کی گردن پر مارا اور آگے دھکیلا۔ وہ دونوں بھی اس چھاپے کی زد میں آگئے تھے۔ وہ ان سب کو ہانک کر سڑک پر لے آئے۔ ان میں گوپال نند بھی تھا، جو مسکراتے ہوئے اُن کی جانب دیکھ رہا تھا۔ باہر پولیس کی جیپ کے ساتھ قیدیوں والی گاڑی بھی کھڑی تھی۔ ایک سفید لباس والے نے زور سے کہا

''چلو، سب بیٹھو گاڑی میں۔''

اس آواز کی بازگشت میں ایک موٹا سا بندہ بار کے دروازے میں سے باہر آیا اور اونچی آواز میں بولا

''میں اس بار کا منیجر ہوں۔ تم ایسے نہیں کر سکتے، یہ بھائی کا علاقہ ہے، پہلے اس سے بات کرو۔''

اس کے یوں کہنے پر جیپ میں سے کسی ولن کی طرح ایک پولیس آفیسر نکلا، اس نے بھی ویسا لباس پہنا ہوا تھا، وہ قد میں ان سے لمبا، سر سے کافی حد تک گنجا، بھاری چپٹی ٹائپ مونچھیں، فربہ مائل تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس منیجر کے پاس جا کر ایک زوردار تھپڑ مارا پھر کہا

''بولو۔! کیا کہہ رہے تھے تم؟''

''دیکھو اے سی پی، تم مجھے چاہے مار دو، لیکن میں اپنے کسٹمر ایسے نہیں لے جانے دوں گا۔ بھائی......'' اس نے کہنا چاہا تو اے سی پی نے اسے گریبان سے پکڑ کر زور سے دھکا دیا۔ وہ سڑک پر جا رہا۔ اے سی پی نے اپنا سروس ریوالور نکالتے ہوئے اونچی آواز میں حکم دیا

''سب کو بٹھاؤ گاڑی میں، دیکھتا ہوں اس کے بھائی کو۔'' یہ کہہ کر اس نے منیجر کو لات مارتے ہوئے کہا، ''چل بُلا اپنے بھائی کو، کتنی دیر میں آئے گا وہ سالا چوہا، میں کھڑا ہوں ادھر۔''

''بھائی تیرا جھگڑا بھائی سے ہے، کسٹمر کو جانے دے، ادھر ہی بات کرتے ہیں۔'' مینیجر نے اُٹھتے ہوئے کہا

''اوئے تیری تو ماں کا......'' اس نے زوردار گالی کے ساتھ اسے گریبان سے پکڑ کر پھر زمین پر دے مارا۔ اردگرد کھڑے لڑکے تو پریشان تھے لیکن لڑکیاں رو رہی تھیں۔ تبھی ان میں سے ایک لڑکی نے آگے بڑھتے ہوئے اے سی پی سے کہا

''میں جرمنی سے آئی ہوں، ہم چھ لوگ ادھر وزٹ کے لئے آئے ہیں، آپ ہمیں ایسے نہیں پکڑ سکتے۔''

''اوئے اسے پہلے ڈال اندر، اس کی جرمنی تو ادھر پولیس اسٹیشن میں جا کر نکالتے ہیں۔ سالی جرمنی کی۔'' اے سی پی نے انتہائی غصے میں کہا

اس دوران جسپال نے بانیتا کی طرف دیکھا۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کر لیا۔ منیجر سیل فون پر وہاں کے حالات بتانے لگا تھا۔ سفید لباس والے لڑکے لڑکیوں کو پکڑ پکڑ کر گاڑی میں پھینک رہے تھے۔ جیسے ہی ایک سفید لباس والے نے بانیتا کو پکڑا۔ اس نے پوری قوت سے اس کی ناک پر پنچ مارا۔ تب تک جسپال نے ہوا ہی میں چھلانگ لگائی اور سیدھا اے سی پی جا پڑا۔ اس کا پہلا ٹارگٹ ریوالور کو قابو میں کرنا تھا۔ اے سی پی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس پر یوں حملہ کر سکتا ہے۔ اس کا ریوالور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جسپال اسے لیتا ہوا سڑک پر آ رہا۔ اے سی پی کسی اسپرنگ کی طرح اچھلا۔ تب تک جسپال نے اس کی کنپٹی پر کھڑی ہتھیلی کا وار کیا۔ ایک لمحے سے بھی کم وقت میں وہ مدہوش سا ہو گیا۔ اس دوران جسپال نے اپنا پسٹل نکال کر اے سی پی کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ تبھی سفید لباس والے ایک دم سے وہیں رُک گئے۔

''اوئے مینیجر، جلدی کر، سب کو نکال لو گاڑی میں سے اور بھگا دو، میں دیکھتا ہوں اسے، لگتا ہے اسے زندگی نہیں پیاری۔'' جسپال نے اونچی آواز میں کہا۔

مینیجر یوں کا یا پلٹنے پر ابھی تک حیران کھڑا تھا۔ جب تک وہ آگے بڑھا جو چند لوگ تھے، وہ گاڑی سے نکل آئے۔ وہاں موجود لڑکے لڑکیاں تیزی سے بھاگتے چلے گئے۔ ان بھاگنے والوں میں گوپال نند بھی تھا۔ وہاں میدان میں اے سی پی، سفید لباس والے، وہ دونوں اور مینیجر رہ گئے۔ بانیتا کو وہ بندہ یاد تھا جس نے اسے دھکا مارا تھا، وہ اس کے پاس گئی اور بالوں سے پکڑ کر ان سے الگ کر لیا۔ پھر اپنا پسٹل نکال کر اس کے ماتھے پر نال رکھتے ہوئے بولی

''جسے زندگی پیاری ہے وہ اپنے ہتھیار پھینک دے۔'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ایک نے فائر کر دیا۔ وہ بہت محتاط تھی سفید لباس والے کو لیتے ہوئے سڑک پر لیٹ گئی۔ پھر وہیں پڑے پڑے اس پر فائر کر دیا۔ ان میں سے ایک چیخ مارتے ہوئے گر گیا۔ میدان صاف ہوا تھا یا انہیں باہر آنے میں دیر ہو گئی تھی، یا انہیں گمان نہیں تھا، کچھ بھی تھا، ایسے میں اس بار میں موجود غنڈے اسلحہ سے لیس باہر آ گئے۔ انہوں نے سب کو کور کر لیا۔ جسپال دوسری طرف مصروف تھا، اس نے ٹٹول کر اے سی پی کا دوسرا ریوالور نکال لیا تھا۔ نیچے پڑے سفید لباس والے نے بانیتا کو قابو کرنا چاہا تو بانیتا نے اس پر بھی فائر کر دیا۔ جسپال نے اے سی پی کی ٹانگ پر نال رکھی اور ٹرائیگر دبا دیا۔ جیسے ہی دونوں نے فائر کیا، اسی لمحے انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا، اور پھر ایک دم سے ان سب کو چھوڑ کر وہ ایک طرف بھاگ نکلے۔ وہ بھاگتے چلے جا رہے تھے کہ ان کے ساتھ ایک ٹیکسی بھی دوڑنے لگی۔ گوپال نند اس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چلا کر کہا

''آؤ بیٹھو''

اس کے ساتھ ہی ٹیکسی آہستہ ہو گئی۔ وہ دونوں اس میں بیٹھے تو ٹیکسی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

''یار اتنی خطرناک جگہ پر بلایا تھا تو نے۔'' جسپال نے گوپال نند کی طرف دیکھ کر کہا

''میں تو روز ادھر ہی آتا ہوں۔ لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ بھائی کی اس اے سی پی کے ساتھ لگ گئی ہے۔ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا، ضرور اونچے لیول کی گیم ہو گی۔'' وہ بولا

''لیکن ہم تو مارے جاتے نا،اب بھی پتہ نہیں کسی چوک پر دھر لئے جائیں۔'' بانیتا کور نے کہا

''دھیرج رکھو۔!اب کوئی ماں کا لال،اس علاقے میں سے ہمیں نہیں پکڑ سکتا۔'' وہ چہکتے ہوئے بولا

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' بانیتا نے پوچھا

''کام مل گیا ہے، میں جس بندے سے ملوانے جا رہا ہوں،اس سے اتنی جلدی ملاقات ہو نہیں پاتی۔'' وہ اس لہجے میں بولا تو وہ کاندھے اُچکا کر رہ گئی۔

وہ ایک وسیع و عریض پرانے طرز کی حویلی تھی۔ وہ گیٹ پر ہی رک گئے تو ٹیکسی آگے نکل گئی۔ گوپال نند نے اگر اسے کرایہ نہیں دیا تھا تو یہی گمان کیا جا سکتا تھا کہ وہ انہی لوگوں کا آدمی ہوگا۔ گیٹ پر ہی ان کی تلاشی لے کر اسلحہ رکھ لیا گیا۔ان میں وہ سروس ریوالور بھی تھا جو اس نے اے سی پی سے چھینا تھا۔وہ نہتے ہو گئے تھے۔ وہ دونوں گوپال نند کے پیچھے چلتے چلے گئے۔ وہ حویلی کے اندر نہیں گیا، بلکہ اوپر سے گھوم کر حویلی کی پچھلی جانب پائیں باغ کے لان تک چلا گیا۔ جہاں کافی ساری کرسیاں لگی ہوئیں تھیں۔ آس پاس چند سیکورٹی والے گھوم رہے تھے۔ وہ ان پر جا کر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی دو ملازم مشروبات کے ساتھ کافی کچھ کھانے کو بھی رکھ گئے۔ گوپال انہیں سرو کر کے بولا

''یہ رام تیواری لعل جی کی آبائی حویلی ہے۔اس وقت حکومت میں ہیں اور تین منسٹریز ان کے پاس ہیں۔''

''تو پھر تم نے ہمیں یہاں لا کر بہت بڑا رسک لیا ہے۔'' جسپال نے کہا

''ایسا شاید دِلّی میں ہو سکتا تھا، یہاں تو یہ بے تاج بادشاہ ہیں۔لو آپ آ گئے۔'' گوپال نند نے کہتے ہوئے سامنے دیکھا اور تنومند سا چھوٹے قد کا سر سے گنجا شخص آتا ہوا دکھائی دیا جس نے کرتا پاجامہ اور واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔اس کے پاؤں میں لیدر کے ہلکے سلیپر تھے۔اس نے دور ہی سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا

''ویلکم ویلکم جی، بھئی ابھی تم لوگوں کی میں نے تعریف سنی، بہت دنوں سے میں ایسے ہی کسی بندے کی تلاش میں تھا۔''

''میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جی جو آپ کو فون پر بتایا۔'' گوپال نے خوشگوار لہجے میں کہا تو رام تیواری نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

''اس نے بتایا تو ہوگا آپ کو لیکن ابھی تفصیلات نہیں بتا پاؤں گا۔ رابطے میں رہو۔ ہم کام بتا دیں گے۔''

''کام جو بھی ہو، وہ آپ کی مرضی کا، لیکن کرنا کیسے ہوگا، یہ ہم جانیں اور ہمارا کام۔'' جسپال نے کہا

''بس، ہماری طرف کوئی انگلی بھی نہ ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا

''ایسا ہی ہوگا۔'' جسپال نے کہا تو وہ اٹھ گیا پھر ہاتھ ملاتے ہوئے بولا

''ہم آپ جیسے لوگوں کی قدر کرتے ہیں، اس لئے ملنے کو ادھر ملنے کو آ گئے، ورنہ اندر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، خیر ملتے رہیں گے باتیں ہوتی رہیں گیں۔'' یہ کہہ کر وہ اسی تیزی سے اندر چلا گیا۔

’’چل، اب تم لوگوں کو چھوڑ دوں۔‘‘ گوپال نے کہا تو وہ اس کے ساتھ باہر کی جانب چل پڑے۔ وہ گیٹ پر آئے تو سوٹ میں ملبوس ایک بندہ وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ انہیں دیتے ہوئے کہا

’’یہ صاحب کی طرف سے آپ کو منہ دکھائی ہے۔‘‘

اس پر جسپال نے گوپال کی جانب دیکھا اس نے لے لینے کا اشارہ کیا تو اس نے وہ پیکٹ لے لیا تو وہ شخص واپس حویلی کی طرف پلٹ گیا۔ وہاں گیٹ سے انہوں نے اپنے پسٹل لئے، سروس ریوالور وہیں چھوڑ دیا اور باہر آ گئے۔ چند لمحوں بعد وہی ٹیکسی وہیں آ گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے۔ گوپال نندان کے ساتھ ہی ٹیکسی میں اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں پیچھے بیٹھ گئے۔ ذرا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد گوپال نند نے جسپال سے کہا

’’اتنی جلدی، اتنے بڑے بندے کے ساتھ ملاقات ہو جانا، کچھ عجیب سا نہیں لگا تمہیں؟‘‘

’’لگا تو ہے، میں تم سے یہ پوچھنے والا تھا، خیر تم بتاؤ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟‘‘ جسپال نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

’’میں تمہیں صاف بتا دوں، یہ سب اتفاق نہیں تھا، بلکہ میں نے اس کی پوری پلاننگ کی تھی، بولو تو ایک تیر سے تین شکار کئے ہیں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ ذرا سا خاموش ہوا، جس پر انہیں نے کوئی بات نہ کی تب وہ کہتا چلا گیا‘‘ بانیتا کے بارے میں بہت سنا تھا، اس کے بہت دور تک تعلقات ہیں یہ بھی میں جانتا ہوں، لیکن خود کیا ہے، یہ میں نے نہیں دیکھا تھا۔ سوچا تھا کہ اس سے وہ کام لیا جائے جو ان دنوں ہمارے لئے وبال بنا ہوا ہے، لیکن ساتھ میں یہ سوال بھی تھا کہ یہ کر لے گی؟‘‘

’’تو پھر؟‘‘ بانیتا نے چبھتے ہوئے کہا

’’میں نے پلان کیا، تمہیں جان بوجھ کر اس بار میں بلایا۔ ادھر پولیس کو انفارم کیا کہ اس بار میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ بار کے مالک اور اے سی پی کی آپس میں لگی ہوئی تھی۔ اسے موقعہ دیا گیا، کیونکہ بار کا مالک خود کو بھائی سمجھنے لگا تھا اور پچھلے کئی ماہ سے تیواری صاحب کو ہفتہ نہیں بھیج رہا تھا۔ تم لوگوں کو حوصلہ بھی دیکھ لیا، بار کے مالک کو سبق سکھا دیا اور اے سی پی کو اس کی اوقات یاد دلا دی، ہمارے کئی کام اڑا کر بیٹھا ہوا تھا۔‘‘

’’مطلب تم ہم پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم بہت خطرناک بندے ہو؟ ایسے ہی نا؟‘‘ بانیتا نے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا

’’تم اسے جو مرضی سمجھ لو۔‘‘ اس نے ڈھٹائی سے کہا

’’چل روک ٹیکسی۔‘‘ بانیتا نے ایک دم سے کہا تو ٹیکسی روک دی گئی۔ وہ دونوں اترے اور جسپال نے وہ پیکٹ واپس اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

’’میں ایسا کوئی تحفہ نہیں لیتا، میرے ساتھ کام ڈن کرو تو اپنی مرضی سے لوں گا۔ واپس کر دینا تیواری کو۔‘‘

وہ ایک مارکیٹ میں اتر گئے۔

کیا خیال ہے تمہارا، یہ گوپال نند.....‘‘ بانیتا نے مارکیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے کہنا چاہا تو جسپال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تبصرہ کیا

’’اعتماد والا بندہ نہیں ہے۔‘‘

''لیکن تم جانتے نہیں، یہ ہردام تیواری شکل سے جتنا احمق لگتا ہے، یہ اتنا ہی خطرناک ہے اور خفیہ والوں کے اندر تک رسائی رکھتا ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' بانیتا کور نے عام سے لہجے میں کہا

''چلو، دیکھتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے موضوع ہی ختم کر دیا اور دوسری باتیں کرنے لگے۔ ایسے میں نوتن کور کا فون آ گیا کہ وہ ان کے ہاں پہنچ چکی ہے۔ کچھ دیر وہاں وقت گزارنے کے بعد وہ بنگلے کی جانب چل پڑے۔

نوتن کور ان کے انتظار میں بیٹھی سیل فون پر گیم کھیل رہی تھی۔ جسپال نے محسوس کیا کہ نوتن کا رویہ بانیتا کے ساتھ مودبانہ تھا۔ اس نے پاکستان میں ہونے والی تمام باتیں بتا دیں۔ پھر دو سیل فون نکال کر انہیں دیئے۔

''یہ وہاں سے تم لوگوں کے لئے تحفہ آیا ہے۔''

''ان میں کیا خصوصیت ہے۔'' بانیتا نے پوچھا

''یہ جدید ترین ٹیکنالوجی ہے، ابھی بلیک مارکیٹ میں ہے۔ ان سے تمہاری کال کہیں بھی ٹریس نہیں ہو گی۔ بے دھڑک جمال سے بات کر سکتی ہو۔'' نوتن کور نے کہا تو بانیتا کور کے چہرے پر انہونی خوشی پھیل گئی۔ چند لمحے بعد حسرت سے بولی

''میں اس سے تب ہی بات کروں گی جب میں اسے کوئی تحفہ دینے کے لائق ہوئی۔''

وہ رات گئے تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اس وقت صبح کے آثار واضح ہو رہے تھے جب جسپال نے جمال کو کال کر دی۔

☆......☆......☆

اس وقت میں سونے کے لئے بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ اسکرین پر کوئی نمبر نہیں تھا۔ میں نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے پرجوش لہجے میں جسپال سنگھ بولا

''کیسے ہو؟''

''اوئے جسپالے تُو؟ مطلب میرا تحفہ پہنچ گیا۔ اوئے کیسا ہے تُو؟''

''بہت ٹھیک ہوں۔ واہ گرو کی مہر ہے۔ ممبئی میں ہوں'' اس نے چہکتے ہوئے کہا

''اُو خوش کیا۔ تو ایسے کر ساری صورت حال لکھ دے، پھر میں تجھے بتاتا ہوں کیا کرنا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولا

''ٹھیک ہے، مجھے یہاں سیٹ اپ بنانے میں وقت لگ سکتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں، اتنے دن موج کر، بانیتا کور بڑے دل والی ہے، وہ بڑی اچھی دوست بھی ہے۔'' میں نے کہا

''لیکن تیرے لئے بڑا جذباتی ہو جاتی ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا

''وہ اس لئے کہ وہ خود بہت اچھی ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے الوداعی باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔ میرے اندر عجیب سا خوشگوار تاثر پھیل گیا تھا۔

میں سو کر اٹھا تو کراچی کے ماحول میں تیزی تھی۔ عام آدمی کے لئے وہی سیاست دانوں کی بیان بازی تھی اور آفیسروں کی طفل تسلیاں

جاری تھیں۔ ان میں ایک اعلیٰ پولیس آفیسر ثناء اللہ عباسی کا بھی بیان تھا۔ وہ بہت حقیقت کے قریب تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ آفیسر اس معاملے کو گہرائی کے ساتھ جانتا ہے۔ میں نے وہ نام ذہن میں رکھ لیا۔

دوپہر کے بعد میں نے فریش ہو کر لیپ ٹاپ کھولا۔ مجھے یقین تھا کہ جسپال کی ای میل آئی ہوئی ہوگی۔ اس نے ممبئی کی ساری روداد لکھ دی، حتمہ رات اے سی پی اور رام تیواری کی بات بھی لکھ دی تھی۔ تمام حالات پڑھنے کے بعد میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ میرے خیال میں اب ممبئی میں کام کا آغاز ہو جانا چاہئے۔ میں نے اسے میل کا جواب دیا اور نوتن کور کا کچھ ہدایات دیں۔ مطمئن ہو کر نیچے آگیا تو ڈرائنگ روم میں مہوش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے پاس دارا بیٹھا ہوا گپیں لگا رہا تھا۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر دارا لنچ لگانے چلا گیا۔ مہوش نے بتایا کہ زویا اور سلمان واپس کراچی آگئے ہیں۔ فہیم چونکہ لاہور ہی کا ہے، اس لئے اپنے گھر گیا ہوا ہے۔ واپسی پر اسے کراچی سے آیا ہوا کارگولانا ہے۔ میں اور مہوش حالات کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ گیت کا فون آگیا

''ایک بری خبر ہے۔'' اس نے تیزی سے بتایا

''وہ کیا؟'' میں نے تحمل سے پوچھا

''کرامت جونیجو گروپ کو رات دھچکا ملا سو ملا، لیکن مخالفین گروپ بھی کا علاقہ چھین لینے کی کوشش کی ہے۔''

''یہ بری خبر تو نہیں، اب یہ جرائم پیشہ کچھ دن آپس میں لڑتے رہیں گے، اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''اصل خبر تو اس کے پس منظر میں ہے، یہاں جس بندے کو لا رہے ہیں، وہ بہت بڑا ڈرگ کا سپلائیر ہے۔ اور منشیات کی سپلائی کے لئے بچوں تک کو استعمال کرتا ہے۔'' اس نے تیزی سے بتایا

''یہ بھی ان لوگوں کا عام کام ہے۔ ہمارے لئے بری خبر......'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولی

''یہ ہے کہ انہوں نے بھتہ خوری آج ہی سے شروع کر دی ہے اور بوری بند لاشوں کی دھمکیاں عام بزنس مین کو بھی دینے لگے ہیں۔ کہیں ہم نے کم برے لوگوں کو ختم کر کے زیادہ برے لوگوں کو آگے تو نہیں کر دیا۔ وہ اپنی طاقت کا ناجائز استعمال کریں گے۔''

''ان کے بڑوں کا پتہ ہے کچھ؟'' میں نے پوچھا

''وہ تو پتہ ہے ایک اہم سیاست دان ہے رضا ہمدانی، بظاہر بڑا تاجر ہے لیکن جرائم پیشہ ہے۔ وہی سب یہاں دیکھ رہا ہے۔ لیکن انہیں ختم کیسے کریں گے؟'' گیت نے میری بات سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''تم اس کے بارے میں مجھے معلومات دو، کچھ کرتے ہیں۔'' میں نے اسے کہا تو وہ تیزی سے بتانے لگی۔ میں نے اسی لمحے روہی میں سرمد سے رابطہ کیا۔ وہ آن لائن تھا۔ میں نے اسے اپنی ضرورت کے بارے میں بتایا۔ اس نے کچھ دیر بعد بتانے کو کہا۔ میں مطمئن ہو گیا اور گیت سے کہا ابھی کچھ مزید تلاش کرے۔ میں اور مہوش اٹھ گئے۔ لنچ لینے کے بعد ہم دوبارہ کمرے میں آئے تو گیت کے پاس کچھ مزید معلومات تھیں۔ اس

وقت تک سرمد کا فون آ گیا تھا۔ اس نے یہی بتایا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد آپ کو علی نواز کا فون آئے گا۔ میں کمرے میں بیٹھا ہی تھا کہ اس کا فون آ گیا۔ وہ سندھی تھا لیکن بلا کا حوصلے مند اور جرات والا تھا۔ میں نے اپنا فون لیپ ٹاپ کے ساتھ منسلک کر دیا کہ سب لوگ بات سن لیں۔

''بہت کچھ سیکھا اور پھر بہت سنا ہے جی آپ کے بارے میں، بہت خوشی ہوئی کہ میں آپ کے کسی کام آ رہا ہوں۔'' اس نے سندھی لہجے میں کہا

''مجھ سے سیکھا؟'' میں نے پوچھا

''آپ کو شاید یاد نہیں، میں نے آپ سے نشانہ بازی سیکھی تھی روہی میں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی تھا۔'' اس نے خوشی بھرے انداز میں بات کی۔

''علی نواز۔! تم میرے لئے نہیں انسانیت کے لئے کام کر رہے ہو۔ فرض کرو تمہارا بیٹا ہے اور کوئی اسے نشے کی لت میں اس حد تک لگا دے کہ وہ نہ مرا ہوا ہو اور نہ زندہ ہو تو تمہاری حالت کیا ہو گی۔'' میں دکھی دل سے کہا

''میں آپ کے جذبات سمجھ گیا ہوں۔ آپ حکم کریں۔'' اس نے تیزی سے کہا

''رضا ہمدانی کا نام سنا ہے؟'' میں نے پوچھا

''بالکل سنا ہے؟'' اس نے کہا

''ابھی، اس وقت وہ اپنے لگژری آفس میں ہے، میرا ایک دوست اور تمہارے جیسا بھائی تم سے بات کرے گا۔ اور تم اس سے ڈن کرلو۔ آج شام سے پہلے پہلے اس کا وجود مٹ جائے۔'' میں جذباتی ہو گیا تھا۔

''ہو جائے گا۔ بھائی بھیجو، میں انتظار میں ہوں۔'' اس نے کہا تو میں نے فون بند کر کے جنید اور اکبر سے کہا کہ وہ فوراً اس سے ملنے کے لئے چلے جائیں۔ اسکرین پر رضا ہمدانی کی تصویر آ گئی تھی۔ یہ ان کی کسی سائیٹ سے اٹھائی ہوئی تصویر تھی۔ اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ عام لوگوں کی زندگی بچانے کے لئے اگر چند لوگ مار دیئے جائیں تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ میں نے گیت سے کہہ دیا کہ ایسے چند بندوں کے نام بتا دے۔ وہ اس کام میں لگ گئی۔

میں ان کے لئے سوچ رہا تھا کہ نوتن کور کا فون آ گیا۔

''میں انہی کے پاس ہوں، جس طرح کے بندے تم نے بتائے تھے، ان میں سے صرف ایک آدمی ملا ہے۔ نوجوان ہے، بنگلور کی سیلکون سٹی کا تربیت یافتہ ہے۔ اروند سنگھ نام ہے اس کا۔''

''اسے فوراً ان کے پاس پہنچا دو۔ رونیت کور کو بھی ادھر ہی بلا لو۔'' میں نے کہا

''وہ رات کسی وقت تک آ جائے گا۔ اس وقت وہ تھائی لینڈ میں ہے اور بنکاک ایئر پورٹ پر ہو گا۔ وہ جب بھی ممبئی پہنچا، اس کے لئے قریب ہی ایک ہوٹل میں بکنگ ہے، وہ ادھر آ کر آرام کرے گا۔ پھر ہم اسے لے لیں گے۔'' نوتن کور نے تفصیل سے بتایا

''وہ جیسے ہی ادھر آئے تو مجھے بتانا، میں اس سے بات کروں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

کوئی دو گھنٹے گذر گئے۔ اس دوران فہیم واپس آ گیا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے چار کارٹن لا کر رکھ دیئے۔ میں نے اسے تازہ صورت حال کے بارے میں بتایا تو وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ جیسے ہی علی نواز کے پاس جنید اور اکبر پہنچ گئے اور انہوں نے ساری بات اسے سمجھا دی تھی تو جنید نے مجھے فون کر کے سب کچھ بتا دیا۔ سامنے اسکرین پر وہ مجھے دکھائی دے رہے تھے۔ علی نواز ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ چھوٹی چھوٹی ترشی ہوئی داڑھی، مونچھیں اور سرخ و سپید چہرہ۔ وہ مجھے اچھا لگا۔ تبھی فہیم نے کہا

''شام کے چار بج رہے ہیں۔ رضا ہمدانی اس وقت تک اپنے آفس ہی میں ہے۔ جیسے ہی تم لوگ وہاں پہنچو گے، میں سارے آفس کے نظام کو اپنے کنٹرول میں لے لوں گا۔ شرط یہ ہے کہ آفس میں داخلے سے پہلے اسی کمپنی کا کوئی ایک کارڈ حاصل کر لو پھر وہ آفس میرے قابو میں آئے گا۔''

''ہو جائے گا۔'' جنید نے کہا

''تو پھر سمجھو اس کا آفس کیسا ہے۔'' فہیم بولا پھر اس نے اسکرین پر اس کے آفس کا نقشہ ظاہر کر کے انہیں گائیڈ کرنے لگا۔

''اس کا آفس پورے کا پورا اس کے اپنے کنٹرول میں ہے۔ روڈ سے لیکر اس کے اپنے بیٹھنے والی جگہ تک کوئی بھی اس کی مرضی کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے وہ وہاں پر محتاط نہیں ہو گا۔ جب وہ نہیں ہوتا تو اس کی صورت حال کیا ہوتی ہوگی، اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کارڈ میں نے اس لئے کہا ہے کہ سارے دروازے کارڈ ہی سے کھلتے ہیں۔ وہ کسی کا بھی ہو، میں اسی کارڈ کا استعمال کر لوں گا۔ تم لوگوں نے وہاں استقبالیہ پر نہیں جانا۔ سیدھے اندر داخل ہو جانا۔ باقی میں تمہیں وہیں پر گائیڈ کر دوں گا۔''

وہ تینوں وہاں سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ ریلوے کالونی کی بڑی گلیوں والا پرانا علاقہ تھا۔ جب تک وہ مین روڈ پر آئے، اس کے ساتھ چار پانچ گاڑیاں چل پڑی تھیں۔ عبداللہ ہارون روڈ سے آگے چورنگی کے مین روڈ پر پہنچتے ہوئے انہیں کوئی گھنٹہ لگ گیا۔ راستے میں اس نے اپنے لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ انہوں نے گاڑیاں ایک طرف پارک کیں اور اس عمارت کے اطراف میں پھیل گئے۔ ہر کوئی اسلحے سے لیس تھا۔ ہم صرف وہی منظر دیکھ سکتے تھے، جو جنید اور اکبر کی رینج آتا تھا۔ وہ ایسا وقت تھا جب آفس بند ہونے والا تھا۔ وہاں سے دو تین لوگ نکل کر پارکنگ کی جانب گئے۔ علی نواز کے لوگوں نے انہیں وہیں دبوچ لیا ہوگا کیونکہ ذرا سی دیر بعد دو کارڈ ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔

''صرف ایک کارڈ ہی استعمال کرنا ہے۔ اور جو پہلے جائے اس کے پاس کسی قسم کا کوئی اسلحہ نہ ہو۔'' فہیم نے انہیں تیزی سے کہا تو جنید آفس کے اندر چلا گیا۔ علی نواز اور اکبر باہر ہی تھے۔ جنید اسکرین پر دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ آفس میں داخل ہوتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ جیسے ہی اس نے دروازے میں کارڈ ڈالا، ایک لمحے سے بھی کم وقت میں اسکرین پر ایک جھپاکا آیا، پھر نارمل ہو گیا۔ تبھی فہیم کی آواز آئی، ''دروازہ کھل گیا ہے۔ رضا ہمدانی کا سارا نظام اب میرے قبضے میں ہے۔ کوئی کیمرہ نہیں چل رہا اور ہر دروازے میں کارڈ ڈالتے جاؤ، وہ کھلتا جائے گا۔''

''میں اور علی نواز اندر جا رہے ہیں۔'' اکبر کی آواز آئی۔ علی نواز وہیں پیچھے رک گیا اور اکبر آگے کی جانب بڑھا۔ لفٹ کا دروازہ بھی کارڈ ہی سے کھلا۔ جنید لفٹ میں چلا گیا اس کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ اکبر نے اسے پسٹل دیا اور خود سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

جنید ایک راہداری میں پہنچ گیا تھا۔فہیم نے اسے بتا دیا تھا کہ بالکل سامنے والا کمرہ رضا ہمدانی کا ہے،تمہارے پاس چند سیکنڈ ہیں۔وہ اپنے کمپیوٹر کے پروگرام بند کر رہا ہے۔اگر وہ کمپیوٹر بند ہو گیا تو بہت مشکل ہو جائے گی۔وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔تبھی سائیڈ والے کمرے سے چند لوگ باہر آ گئے۔انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کسی نے ایک دم سے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''کون ہو تم؟''

ان کی ساری توجہ جنید کی طرف تھی۔شاید وہ اسے پکڑنا چاہتے تھے لیکن ان کی یہ خواہش ادھوری رہ گئی۔جنید ایک دم سے بیٹھ گیا تو اکبر ان پر فائر کرنے لگا۔دو لمحے بعد وہ زمین بوس ہو چکے تھے۔اس نے بیٹھے بیٹھے ہی کارڈ دروازے میں ڈالا،ایک دم سے الارم بج اٹھا۔لیکن اگلے ہی لمحے دروازہ کھل گیا۔سامنے میز کی دوسری طرف رضا ہمدانی بیٹھا ہوا تھا۔اس کے چہرے پر انتہائی درجے کی حیرت اور پریشانی چھلک رہی تھی۔اس نے جنید کو دیکھتے ہی دراز میں سے میں ہاتھ ڈالا،تب تک اس نے میز پر فائر کر دیا۔وہ پیچھے کی جانب الٹا۔جنید اس کے سر پر پہنچ گیا۔اس نے کمپیوٹر کی طرف دیکھا اور پسٹل کی نال اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا

''میں اس وقت تک تمہیں نہیں ماروں گا جب تک تم خود نہیں چاہو گے۔''

''کیا مطلب؟''اس نے کافی حوصلے سے کہا

''میں تم سے ایک ڈیل چاہتا ہوں۔اٹھو اور اپنا کمپیوٹر کھولو،جلدی۔''اس نے دباؤ دیتے ہوئے کہا

''اور اگر میں نہ کھولوں تو''وہ ایک دم سے سمجھ گیا تھا کہ جنید کیا چاہتا ہے۔کیونکہ فہیم نے بتا دیا تھا کہ الارم اس لئے بجا کہ اس نے اپنا کمپیوٹر بند کر دیا تھا۔

''تو پھر یہ لو''یہ کہہ کر اس نے اس کی ٹانگ پر فائر کر دیا۔پھر دوسری پر کیا۔وہ چیخنے لگا۔ایسے میں راہداری میں فائرنگ ہونے لگی۔دو بندے لفٹ کے ذریعے اوپر آئے تھے،اکبر نے انہیں پار کر دیا۔یہی وہ وقت تھا،جب علی نواز اور اس کے بندوں نے ایکشن میں آنا تھا۔وہ بھاگتا ہوا لفٹ کے پاس چلا گیا۔

''جنید ختم کر دو اسے اور پلٹو وقت کم ہے۔''میں نے کہا تو اس نے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔اس نے ایک لحہ کو اسے گرتے ہوئے دیکھا اور پلٹ پڑا۔اکبر اور جنید ایک دوسرے کو کور دیتے ہوئے سیڑھیاں اُترتے چلے گئے۔استقبالیہ والا ہال خالی تھا۔وہ بھاگتے ہوئے ہال میں آئے اور پھر باہر نکلتے چلے گئے۔باہر گاڑیاں اسٹارٹ تھیں وہ مختلف گاڑیوں میں بیٹھے اور نکل پڑے۔

''جنید۔!اس کے باقی لوگوں کو چھوڑ کر صرف علی نواز کو اپنے ساتھ لے آ،میں نے کچھ بات کرنی ہے۔''

کوئی ایک گھنٹے بعد وہ لوگ پہنچ گئے۔علی نواز کے لئے وہ کنٹرول روم کافی حیرت کا باعث بنا تھا۔وہ فریش ہو چکے تو میں نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''جرم کی دنیا میں یہ جو انڈر ورلڈ ہے نا اس میں صرف ایک چیز کے لئے سارا ہنگامہ لگا رہتا ہے کہ کس کو کیا فائدہ ہوتا ہے۔ذاتی فائدہ،ہی

سب سے اہم ہے۔لیکن میں یہ سب اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں کر رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں چند لمحے رکا اور پھر بولا،'' تم سب کے ذہن میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ تو پھر یہ سارا سلسلہ کیوں؟ میں نہیں جانتا کہ کس کے بھی ذہن میں کیا ہے۔مگر میں یہاں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔اگر میری کوشش سے کسی کو رَتی برابر بھی اختلاف ہو وہ خاموشی سے ہمیں چھوڑ کر جا سکتا ہے کیونکہ اب میں ایک بہت بڑا رسک لینے جا رہا ہوں۔''

''رسک، وہ کیا؟'' گیت نے پوچھا

''وہ میں بعد میں بتاتا ہوں، پہلے میری بات سننے کے لئے تم سب خود کو تیار کر لیں۔'' میں نے کہا

''اوکے،تم کہو۔'' سلمان نے کہا

''یہ جو ہماری پاکستانی قوم ہے، ان کے چہروں پر رونق کیوں نہیں ہے۔احساس محرومی، نا امیدی، بے یقینی، ذہنی بیماری کیوں ہے؟ ان میں خودداری کیوں نہیں، ان کی عزت نفس کیوں محفوظ نہیں؟ وہ لوگ ہیں جو عزت، مال، جان کی قربانی دے کر بھی آج بھی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اور وہ کون لوگ ہیں، جنہوں نے قربانیاں تک نہیں دیں اور وہ اس ملک کے سیاہ سفید کے مالک بن بیٹھے ہیں؟ اسی ملک پر حکومت کر رہے ہیں اور اسی عوام کو فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔وہ کون لوگ ہیں جو اسی عوام کی رگوں سے قطرہ قطرہ لہو نچوڑ رہے ہیں؟ انگریزوں نے جاتے ہوئے اس قوم سے بہت بڑا انتقام لیا، یہ نام نہاد اشرافیہ، چھوڑ گئے، جو آج بھی ان انگریزوں کے غلام ہیں۔انہی کے ایماء پر اپنے مفادات کی خاطر اور انگریزی سازش کے تحت یہ اس قوم کو غلام بنائے ہوئے ہیں۔اسلام تو مساوات کا درس دیتا ہے۔انصاف امیر اور غریب کے لئے ایک جیسا ہو۔قانون کی پاسداری ایک جیسی ہو، جیسا حضرت عمرؓ نے کر کے دکھایا۔

کہہ سکتے ہیں کہ اس ملک کی عوام بے وقوف ہے کہ وہ اپنے ایسے نمائندے کیوں چنتے ہیں؟ وہ قوم جس کے پیروں میں جوتا تک نہیں ہوتا وہ ان کے جھنڈے اٹھائے کیوں پھرتے ہیں۔یہ بات اس عوام کی ان قربانیوں کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔جو ہر طرح کی قربانی دے چکے ہیں اور دیتے چلے جا رہے ہیں۔وہ اب بھی سب کچھ کرنے کو تیار ہے کہ یہاں وہ نظام آئے، جس کے لئے پاکستان بنا۔وہ کون لوگ ہیں جو دین اسلام کے نام پر آج بھی اس عوام کو سنہری خواب دکھاتے چلے جا رہے ہیں۔یہ عوام تو آج بھی دین اور ملت کے لئے اپنا آپ قربان کرنے کو تیار ہے۔وہ لوگ جو محبِ ملت و وطن ہیں، دین و ملت کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں، انہیں کس نے روکا ہوا ہے؟ پارلیمنٹ ہی کو لے لیں، ایک عام آدمی کو اس تک پہنچنے کے لئے کتنے بیریئر پار کرنا ہوں گے، دولت، قومیت، برادری ازم، صوبائی عصبیت، فرقہ بازی، یہ بیریئر کس نے بنائے، یہ نظام بنانے والا کون ہے؟ جس نے قوم کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا، ان میں اس حد تک تفریق پیدا کر دی کہ وہ کچھ سوچ ہی نہ سکیں۔یہاں قانون ایک نہیں، امیر کے لئے قانون دوسرا ہے اور غریب کی تھانوں میں کھال اُدھیڑ دی جاتی ہے۔نظام تعلیم ایک نہیں، تعلیم کا معیار دولت کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔علاج کی سہولت غریب کے لئے نہیں، لیکن غریب کے سرمائے سے نام نہاد اشرافیہ بیرون ملک سے اپنا علاج کرواتے ہیں۔کس نے اس قوم کی سوچ فکر کو پیٹ میں بند کر دیا کہ ان کا شعور ہی کام نہ کر سکے۔یہ وڈیرہ شاہی، جاگیرداری، سرمایہ داری ہے جس نے اس ملک کا نظام بنایا ہوا ہے۔یہ خون آشام اشرافیہ عوام کا لہو چاٹ کر بھی آزاد ہے اور عوام پس رہے ہیں۔ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ اس نام نہاد بے غیرت اشرافیہ کو وہ پاکستان نہیں چاہئے،

جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا۔ یہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام چلنا ہے۔ جو انسانی بقا اور حیات جاودانی کا باعث ہے۔ اس نام نہاد اشرافیہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام نہ لا کر دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے، یہ سراسر نافرمانی ہے۔ اسلام کے حقیقی ثمرات سے دور رکھنے والے یہی بے غیرت اشرافیہ ہے، جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام نہ لا کران ثمرات سے محروم کر دیا اور یہ قربانیاں دینے والی قوم کے اُن جذبات سے کھیل رہے ہیں، جو وہ آج بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام لانے کو بے تاب ہیں۔

یہ موجودہ نظام ایسا نہیں ہے جس میں قوم کی صلاحیتوں کو ملکی تعمیر و ترقی کے لئے پوری طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہاں تو قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں کہ کہیں یہ لوگ باصلاحیت یا ہنر مند نہ بن جائیں، بے روزگاری کا عفریت آج بھی نوجوان کو نگل رہا ہے۔ کیوں؟ کیا یہ نام نہاد اشرافیہ خود کو آسمانی مخلوق سمجھتی ہے؟

فلاحی مملکت میں ٹیکس کے عوض سہولیات دی جاتی ہیں۔ لیکن یہاں ایک بھکاری بھی ماچس کی ڈبیا لیتا ہے تو وہ بھی اس پر ٹیکس دیتا ہے۔ عوام کو سرتا پا ٹیکس دینے والی مشین بنانے کے باوجود انہیں کوئی فائدہ نہیں۔ ٹیکس کے نام پر یہ وہ بھتہ ہے، جو روزانہ عوام دے رہے ہیں اور ہر ماہ بعد گیس پانی اور بجلی کا ایک "ترقی پذیر بل" تھما دیا جاتا ہے۔ جس کی پوری طرح رسائی ہی نہیں ہے۔

پاکستان میں نہ تو دریاؤں کے پلوں کی توسیع ہو سکی اور نہ ہی نئے ڈیم بنانے کی روایات موجود ہے۔ ہر سال عوام کو غرق اور تباہ و برباد کرتے والے یہ کون لوگ ہیں؟ جن کا کوئی بھائی، بہن یا بیٹا کبھی نہیں ڈوبا، ان کے محلات قائم ہیں۔ کبھی سیلاب میں کسی کا محل ڈوبا؟ صرف قوم غوطے کھا رہی ہے۔ پھر عوام کی مدد کا ڈرامہ کرنے والے، ہر برس کرپشن کرپشن کا راگ الاپنے والے ہی درحقیقت اُمت کے دشمن ہیں اور قانون الٰہی، نظام مصطفیٰ کے مخالفت کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ جعلی ہمدرد ہیں۔ جو ایک جال کی مانند ہیں تاکہ قوم اس سے نکل ہی نہ سکے اور پانی میں ڈوب کر مرتی رہے۔ عوام ڈوبی رہے اور سر اٹھانے کی جرأت نہ کرے۔ خدارا، شعور کی آنکھیں کھولو اور ان کے اصل چہرے دیکھو۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے نکلو اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ۔ ڈیم بنانے میں رکاوٹ کون ہیں؟ یہ سیلاب میں ڈوبتی عوام یا بیرونی امداد کھانے والے بے غیرت اشرافیہ؟

اس نام نہاد اشرافیہ کو یہ معلوم ہے کہ جس دن قلندر لاہوری کا پیغام اس قوم نے پڑھ اور سمجھ لیا تو ہر انسان ایک تلوار ہوگا۔ اور اگر ان بیس کروڑ تلواروں میں سے ایک کروڑ تلواریں بھی نکل آئیں تو کون کیا کرے گا؟ نام نہاد اشرافیہ کیا کرے گی، یہ لوگ تو پہلے ہی موت سے گذر گئے ہیں۔ بغیر تیغ و سناں، موت سے گزر کر یہ ملک حاصل کیا۔ اس قوم کے سامنے لا الہ الا اللہ ہی تھا۔ تو اب یہ محمد رسول اللہ کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ نام نہاد اشرافیہ اور وہ لوگ جو اس ملک و قوم کے دشمن ہیں، یہ جان لیں جب پاکستان بنا تھا تو ان کے پاس کچھ نہیں تھا، آج ان کے پاس ضربِ حیدری ہے، وقت لگ سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا نظام یہاں کوئی نہیں روک سکتا کہ یہ ملک بنا ہی اسی لئے ہے۔ اس ملک کی بقا اور عزت فقط یہی نظام ہے کیونکہ خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ...... خودی کا سرِ عیاں محمدؐ رسول اللہ۔ یہی میرا پیغام ہے اور یہی میرا مقصد۔"

میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ اس لئے کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر میں نے ہی کہا

"تم لوگ اگر سوچنا چاہتے ہو تو سوچ لو۔ جو رہنا چاہتا ہے رہے جو جانا چاہتا ہے چلا جائے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر اوپر چلا گیا۔ میں خود کو

ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا کیونکہ میں نے انہیں صاف بتا دیا تھا، میں کسی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

مغرب ہو جانے کے بعد جب میں نیچے آیا تو سبھی کو اپنی اپنی جگہ دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا۔

''مزید کوئی بات نہیں ہوگی، سب تمہارے ساتھ متفق ہیں۔ اور شاید ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا اس دنیا میں کی وجہ بھی انتقام ہی ہے، جو اس معاشرے کی ناانصافی کے باعث پیدا ہوا۔ اب بتاؤ کرنا کیا ہے۔؟''

''وہ بھی بتا دوں گا، ابھی معاشرے کے ان ناسوروں کو ختم کرنا ہے، میرے خیال میں گیت تم نے......'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولی

''تین بندے چنے ہیں ہیں میں نے۔''

''وہ علی نواز کو بتا دو۔ ادھر کراچی میں گیت، زویا اور سلمان رہیں گے، اکبر اور جنید ادھر آ جائے۔ ہمیں اب ایک بڑے پراجیکٹ پر کام کرنا ہے۔''

''او کے ہو گیا۔'' سلمان نے کہا

''اب یہ کام جلد از جلد ہو جائے تو بہتر ہے۔'' میں نے کہا اور وہاں سے اٹھ کر باہر لان کی جانب چل دیا۔

☆......☆......☆

جسپال اور بانیتا کا حلیہ کافی حد تک بدلا ہوا تھا۔ وہ دونوں یوں دکھائی دے رہے تھے، جیسے کسی دفتر میں کام کرنے والا کوئی جوڑا ہو اور ابھی کسی دفتر سے اٹھ کر آئے ہوں۔ ان کے پاس پرانے ماڈل کی کار تھی جسے جسپال ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے جا رہے تھے۔ ان کا رخ ائیر پورٹ کی طرف تھا، جس کے قریب ہی ایسی ہوٹل میں اروند سنگھ آ کر ٹھہرا تھا۔ جس طرح کی معلومات اس کے بارے میں تھیں، وہ لوگ اسے بہت چھپا کر رکھنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ ان کے درمیان اروند کے بارے میں بہت دیر تک بات ہو چکی تھی۔

اس وقت وہ مہاتما گاندھی روڈ پر اگروال مارکیٹ کے پاس تھے۔ وہاں سے کچھ آگے انہوں نے ٹرن لے کر ہو کر نہرو روڈ پر جانا تھا کہ بانیتا کور کا سیل بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر دیکھا اور اضطراری انداز میں بولی

''رب خیر کرے، انکل زوردار سنگھ جی کا فون ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے کال ریسو کر لی اور ساتھ ہی اسپیکر آن کر دیا کہ جسپال بھی سن لے۔

''او پتر کہاں ہو تم؟'' زوردار سنگھ نے پوچھا

''جی، ادھر ہی ہوں، ائیر پورٹ کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس نے جواب دیا

''وہ بات یہ پتر کہ وہ سندیپ سنگھ نہیں ہے جو ڈاکٹر کے پاس ایڈمٹ تھا۔'' اس نے سکون سے کہا

''جی، جی ہاں۔'' اس نے تیزی سے کہا

''ڈاکٹر کا فون آیا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کچھ لوگ اسے زبردستی اٹھا کر لے گئے ہیں۔'' بوڑھا زوردار سنگھ ٹھنڈے لہجے میں بولا

''وہ کون تھے۔'' بانیتا ایک دم سے پریشان ہو گئی

''یہ اسے نہیں معلوم ہوا، وہ اُسے گن پوائنٹ پر لے گئے ہیں۔'' اس نے بتایا

''اب کیا ہوگا؟'' وہ تشویش سے بولی

''تلاش کرتے ہیں، کہتا ہوں کسی کو کیونکہ میں تو سامنے نہیں آسکتا۔'' اس نے کہا

''اوکے، پھر ہم ہی اُسے دیکھتے ہیں۔ کہاں ہے اس کا ہسپتال؟'' بانیتا نے کہا تو زوردار سنگھ نے وہ پوری لوکیشن میسج کر دینے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ جسپال نے گاڑی روک دی۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا

''یہ بہت بڑا الارم ہے بانیتا؟''

''میں سمجھتی ہوں، ایسا ہی ہے۔ مگر میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ہم سے غلطی کہاں پر ہوئی؟'' بانیتا نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

''میں سمجھا نہیں۔ کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' جسپال نے الجھتے ہوئے پوچھا

''بظاہر سندو کا کسی سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے پاس وہ پرسوں رات پہنچا، مطلب کوئی اس کی تاک میں تھا؟ اگر کوئی اس کی تاک میں تھا تو کیا چاہتا ہے؟''

''بانیتا۔! دو طرح کے لوگ ہی ہیں جو اسے پکڑنا چاہتے ہوں گے۔ ایک وہ جنہوں نے اسے جزیرے کے لئے اغوا کیا تھا۔ دوسرا وہ جنہیں ہم نے مل کر مارا ہے۔ میرے خیال میں تیسری پارٹی ابھی کوئی ہے نہیں۔'' جسپال نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اگر یہ بھی نہ ہوئے تو؟'' بانیتا نے الجھتے ہوئے پوچھا

''تو پھر سوچنا ہوگا۔ پھر معاملہ لمبا ہو سکتا ہے۔'' وہ بولا

''دوسری بات یہ ہے کہ سندو بھی زوردار سنگھ جی کا نام جانتا ہے اور ڈاکٹر بھی۔ اگر تشدد کے ذریعے انہوں نے نام اُگل دیا تو میں کبھی اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' اس نے غصے میں بھرے ہوئے لہجے میں کہا تبھی زوردار سنگھ کی طرف سے پیغام مل گیا۔ اس نے پڑھا اور زیر لب دھیمے سے بولی

''یہ تو کلابہ کا علاقہ ہے۔ یہاں سے کافی دور۔ اب ہمیں وہاں نکلنا ہوگا۔''

''دیکھو، جو ہونا تھا وہ ہوا، جنہیں مارنا ہوتا ہے وہ مار ہی دیتے ہیں اور اغوا کرنے والے ہمیشہ رابطہ کرتے ہیں۔ انتظار کرنا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی رابطہ تو ہوگا۔'' جسپال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''تم جو کہہ رہے ہو یہ ضروری نہیں ہے۔ وہ نام اگلوانے کے لئے.....'' بانیتا نے کہا

''اس اروند سنگھ جی کا کیا کرنا ہے۔ اب فیصلہ تمہارا ہے، اسے پہلے ٹھکانے تک پہنچائیں یا چلیں کولابہ میں؟'' جسپال نے پوچھا

''میرے خیال میں نوتن کور کے ذمے لگاتے ہیں کہ وہ اسے ڈیل کرلے، ہم چلتے ہیں کولابہ۔ کیا کہتے ہو؟'' اس نے جسپال کی طرف دیکھ کر پوچھا

''اوکے۔'' جسپال نے کاندھے اُچکاتے ہوئے کہا اور گاڑی بڑھا دی۔

راستے میں اس نے نوتن کور سے رابطہ کیا اور اسے صورت حال بتائی۔ پھر ان کے درمیان یہ رابطہ مسلسل رہا۔ یہاں تک کہ وہ کولا بہ پہنچ گئے۔ ان کا ٹریکر بتا رہا تھا کہ جانا کہاں ہے۔

وہ ہسپتال کے سامنے تھے۔ نیلے رنگ کا نیون سائن جگمگا رہا تھا۔ انہوں کار پارک کی اور سیدھے ڈاکٹر جگدیش سنگھ کے کمرے میں جا پہنچے۔ وہ ادھیڑ عمر، پتلا سا، لمبے قد کا تھا۔ اس نے عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور اپنا تعارف کرایا۔ تب اس نے کہا

''ہاں ابھی بائی زوردار کا فون آیا تھا۔ میں تو بہت پریشان ہوں۔ وہ بندہ آیا بھی پرسوں رات تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے کل ہی فارغ کردوں لیکن......''

''وہ کون لوگ تھے، کوئی پتہ چلا؟'' جسپال نے پوچھا

''نہیں۔ میں اس وقت یہاں نہیں تھا، عملے کے لوگ ہی تھے۔ میں نے اس کے اغوا بارے ابھی پولیس کو بھی نہیں بتایا۔''

''آپ نے اس کی فائل تو نہیں بنوائی اور یہاں لوگوں کو....'' بانیتا نے پوچھا تو اس نے تیزی سے کہا

''نہیں، ابھی کچھ نہیں تھا۔''

''آپ پولیس کو اطلاع دے دیں۔ انہیں یہی بتائیں کہ اسے کچھ لوگ بے ہوشی کی حالت میں لائے تھے۔ ایک فائل تیار کرلیں اور اس میں کوئی بھی جعلی ایڈریس اور نام لکھ لیں کہ وہ یہی لکھوا گئے ہیں۔ آج انہی لوگوں نے آ کر ہسپتال کے چار جز دیئے اور اسے لے گئے ہیں۔ جبکہ وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔''

''اور یہ کہ آپ کو پہلے ہی سے شک تھا کہ کوئی گڑ بڑ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایک دو دن دیکھنے کے بعد وہ مریض بالکل ٹھیک تھا۔'' بانیتا نے کہا

''اوکے میں کہہ دوں گا، بلکہ ابھی پولیس بلوا لیتا ہوں۔ اب میں اس معاملے کو اپنے انداز میں دیکھوں گا۔ اب مجھے اس بارے کچھ نہ پوچھا جائے۔ آپ لوگ جائیں اور وہ مریض جانے، میں مزید کچھ نہیں کر پاؤں گا۔'' اس نے صاف جواب دیتے ہوئے کہا۔ اس کا یہ کورا پن دیکھ کر کہا جا سکتا تھا کہ وہ فورسز کو سب کچھ بتا سکتا ہے۔ انہیں ڈاکٹر جگدیش سنگھ کے کمرے سے نکلتے ہوئے کافی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ اس لئے گئے تھے کہ اغوا کرنے والوں کا کوئی سراغ ملے۔ مگر انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔

''اب بولو کیا کرنا ہے؟'' بانیتا نے راہداری میں چلتے ہوئے پوچھا

''مجھے تو یہ ڈاکٹر ہی غلط لگتا ہے۔'' جسپال نے کہا تو بانیتا نے ایک دم سے چونک کر کہا

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''ممکن ہے یہ زوردار سنگھ کو دھوکا دے رہا ہو؟'' اس نے تیزی سے کہا

''پھر بھی یہ سوال رہے گا کہ کیوں اور کون لوگ؟'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا

''یہ ایک لمبی بحث ہو سکتی ہے۔ بہت سارے سوال پیدا ہو سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے، ہمیں زوردار سنگھ سے بات کر لینی چاہئے، ان کے

پاس کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوگا۔ کوئی راستہ نکلے گا، پھر کرنا تو ہمی نے ہے۔ یہاں سے نکلو، پھر دیکھتے ہیں۔'' جسپال نے کہا تو وہ ایک دم سے مانتے ہوئے بولی

''او کے ڈن۔ چلو۔''

دو دونوں تیزی قدموں سے چلتے ہوئے راہداری پار کر استقبالیہ ہال میں آ گئے۔ وہ وہاں رکے نہیں، آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

وہ ہسپتال سے باہر آ گئے۔ اس دوران بانیتا کور نے فون کر کے پوری صورت حال زوردار سنگھ کو بتا دی۔ اس نے بھی آ جانے کو کہا۔ اس وقت وہ پارکنگ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ایک دم سے چار لوگ کاروں کی اوٹ سے نکلے اور ان پر پل پڑے۔ ایک زوردار پنچ جسپال کی گردن پر پڑا تھا۔ اگرچہ وہ سہار گیا لیکن اس کے ساتھ دوسرے نے اس اس کے پیٹ میں لات ماری۔ یہی کچھ بانیتا کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اچانک افتاد پر وہ گھبرے تو گئے لیکن انہوں نے جیسے ہی مزاحمت کی ایک پانچواں بندہ ریوالور تانے سامنے آ گیا۔ اس نے بڑے کھردرے لہجے میں حکم دیتے ہوئے کہا

''رک جاؤ۔''

وہ چاروں انہیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے اور فوراً ہی انہوں نے بھی اپنے اپنے ریوالور نکال لئے۔

''کون ہو تم لوگ؟'' جسپال نے پوچھا

''سوال کرنے کا حق صرف ہمیں ہے۔ صرف ہم نے پوچھنا ہے اور تم لوگوں نے جواب دینا ہے۔'' سامنے والے نے اسی کھردرے انداز میں کہا تو پارکنگ میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔



(امجد جاوید کا یہ دلچسپ اور طویل ناول ابھی جاری ہے، باقی واقعات اگلی قسط میں پڑھیے)